سرپرست

حضرت مولانا عبدالحق صاحب

پی این ایس سی
وسیع تر وسائل عظیم تر صلاحیتیں
اور خدمت کا
ایک نیا ولولہ
قومی جہاز رانی میں ایک نئے دور کا آغاز!
نیشنل شپنگ کارپوریشن اور پاکستان شپنگ کارپوریشن کا ادغام نیا نام
پی این ایس سی ـــ پاکستان نیشنل شپنگ کارپوریشن
اب ایک وسیع تر بیڑے اور کارکردگی کی زائد صلاحیتوں کے ساتھ
بہتر طور پر آراستہ ہو کر قومی جہاز رانی کی ضروریات کی تکمیل کرے گی۔
PNSC
پاکستان
نیشنل

مدیر: سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک: پاکستان میں سالانہ ۲۵/- روپے۔ فی پرچہ دو روپے پچاس پیسے 2/50۔ بیرون ملک بحری ڈاک ۳ پونڈ۔ ہوائی ڈاک ۵ پونڈ

سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقش آغاز

اس شمارے سے الحق اپنے زندگی کے پندرھویں سال میں قدم رکھ رہا ہے۔ ابھی کل کی بات ہے کہ الحق اپنی پوری بے سروسامانی کے ساتھ حق و صداقت کے سنگلاخ اور خاردار راہوں پہ گامزن ہوا تھا، زاد راہ سے تہی دست، سفر پُرصعوبت اور صبر آزما مگر حضرت حق جل مجدہٗ کی عنایتیں اور دستگیریاں قدم قدم پر شامل حال رہیں اور جس جس انداز میں اس نے اپنی توفیق سے نوازا اسکی شکرگذاری کب کسی مخلوق سے ممکن ہو سکتی ہے کہ آج ایک سراپا عجز و تقصیر بندہ اس کا حق ادا کر سکے جس کا جیب و گریباں بضاعۃ مزجاۃ تو کیا بضاعۃ نام کی کسی چیز سے بھی ایک پلک کیلئے آشنا نہیں ہو سکا۔ مگر ڈھٹائی سمجھئے یا حد سے زیادہ رجائیت کہ وہ باوجود اس تہی دامنی کے وفاء کیل اور تصدق و کرم نوازیوں کا بلا مزد و اجرت امیدوار ہے۔

فاوف لنا الکیل وتصدق علینا وان اللہ یجزی المتصدقین

کہ الحق کے چودہ سالہ حیات مستعار کی کرم نوازیوں نے اُسے ان عنایات بے جا اور الطاف بے غایات عادی بنا دیا ہے۔ ع کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ ـــــ اگر اسکی مشیت نے چاہا تو حق کی یہ تند طرح روشن رہے گی اور اپنی ضیاء پاشیوں سے باطل کی ظلمتوں سے برسرپیکار بھی ـــ آئیے! ہم سب اسی سے ہر دم اور ہر لحظہ حق شناسی، حق آگاہی اور پھر حق کے لئے مرنے اور مٹنے کی دعا کریں۔ اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ ـــ والباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ۔

وسط اکتوبر میں سعودی عرب کے اسلامی سیکرٹیریٹ کے تعاون سے اسلام آباد میں نفاذ شریعت کے بارہ میں ایک اسلامی سیمینار منعقد ہوا جس میں عالم اسلام کے چیدہ چیدہ ارباب علم و دانش جمع ہوئے اور اپنی سہ روزہ نشستوں میں اسلام کے دستوری اور اقتصادی موضوعات پر گرانمایہ خیالات کا اظہار کیا گیا، اور آخر میں اسلامی دنیا میں اسلامی قوانین کے نفاذ اور عصر حاضر کے جدید مسائل حوادث و نوازل کے لئے یک بین الاقوامی لاء کمیشن کی تشکیل پر زور دیا۔ اجتہاد کے سلسلہ میں جتنے بھی مقالات سامنے آئے۔ ہمیں خوشی ہے کہ اب تک کی ایسی کانفرنسوں اور سیمیناروں کے برعکس ایسے نازک مباحث میں تدین و تقویٰ، صلاحیت و اہلیت اور فقہاء و سلف کے اتباع و موافقت اور ان کی مقرر کردہ شرائط اور حدود و قیود کو فاضل مقالہ نگاروں نے ملحوظ رکھا تھا۔ ایک وقت تھا کہ ایسے عالمی علمی اجتماعات اہل ھویٰ والحاد تجدد و اباحیت زد

مغرب کی ذہنی غلامی میں مبتلا نام نہاد دانشوروں اور متجددین کے لئے موسم بہار کی طرح حیات نو کا ذریعہ بن جاتے تھے مستشرقین و متجددین کے اظہار افکار کا ایک نمائش، مگر الحمد للہ کہ عالم اسلام میں اسلامی نظام و قوانین اور اسلامی تمدن و معاشرت کے بارہ میں جو خوشگوار فکری و عملی انقلاب جنم لینے لگا ہے اس کی وجہ سے اسلام کے بارہ میں تاویل و دفاع اور مرعوبیت کا انداز فکر بھی پسپا ہونے لگا ہے ۔ اور ہم اپنی گمشدہ شخصیت دریافت کرنے لگے ہیں ۔ لن یصلح آخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولھا ۔

اسلامی قوانین کے بارہ میں جس بین الاقوامی اجتماعی لاء کمیشن کی تجویز زیر غور لائی گئی ہے ۔ امید ہے اس کمیشن کے ارکان کی اہلیت و صلاحیت کے لئے بھی ان تمام شرائط اور قیودات کو لازماً ملحوظ رکھا جائے گا جنکی نشاندھی اجماع اور اجتہاد کے ضمن میں فاضل مندوبین نے کی اگر اعلامیہ میں بھی مجوزہ کمیشن کے لئے ان استعدادات اور صلاحیتوں کا ذکر کر دیا جاتا تو مزید بہتر ہوتا ۔ ایسے اجتماعات سے ایک طرف دنیا کے اہل علم و دانش کو باہمی تعارف، افادہ و استفادہ کا موقعہ ملتا ہے تو دوسری طرف وہ ممالک جو اسلام کے صراط مستقیم پہ گامزن ہونا چاہتے ہیں ۔ ان اجتماعات سے تائید و تقویت حوصلہ افزائی رہنمائی اور نیا جوش و ولولہ بھی پا سکتے ہیں ۔ اس لحاظ سے پاکستان کے لئے اس اجتماع کا انعقاد فال نیک ہے ——— اجتماع کے آغاز میں صدر مملکت جناب جنرل ضیاء الحق صاحب نے اسلامی قوانین کے نفاذ اور اسلامی تمدن و معاشرت کے احیاء پہ جن مومنانہ خیالات کا اظہار کیا اور دلی درد سے جن خطوط کی نشاندہی کی اس سے پوری کانفرنس بجا طور پہ متاثر ہوئی اور عالمی اسلامی برادری میں یہ خطاب نیک نامی اور محبت والفت کا ذریعہ بنی ۔

پچھلے ماہ ۲ اکتوبر منگل کی شام کو دارالعلوم دیوبند کے ایک مایہ ناز استاد حضرت مولانا عبد الاحد صاحب مرحوم انتقال فرما گئے وہ پچھلے ۳۰ سال سے دارالعلوم میں اسلامی علوم و فنون پڑھاتے تھے اور اب طبقۂ علیا کے اساتذہ میں سے تھے مولانا مرحوم دارالعلوم کے عہد سعادت کے ایک ممتاز اور جید مدرس استاذ العلماء حضرت مولانا عبد السمیع دیوبندی مرحوم کے صاحبزادہ تھے اور اس وقت کے عہد زوال و قحط الرجال میں دارالعلوم دیوبند کے لئے بقیۃ السیف اور غنیمت ۔ اس عرصہ میں ہزاروں افراد نے اس سے استفادہ کیا ہوگا ۔ ایسے دیرینہ خدام و اساتذہ کا ایسے وقت میں اپنے مادر علمی سے یکایک جدا ہو جانا اور بھی باعث غم ہے کہ دارالعلوم کا عظیم الشان علمی جشن صد سالہ سر پر ہے ۔ حق تعالیٰ دارالعلوم اور مرحوم کے متعلقین کو صبر و اجر اور مرحوم کا نعم البدل عطا فرماوے ۔ دارالعلوم حقانیہ اور ماہنامہ الحق مولانا مرحوم کے تمام متعلقین اور ارباب دارالعلوم دیوبند سے اس صدمہ میں اظہار تعزیت کرتا ہے اور رفع درجات کا متمنی ہے ۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

سمیع الحق

ضبط و ترتیب ادارۃ الحق

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہ

اسلامی ممالک میں اسلامی قانون سازی

اسلام آباد کے بین الاقوامی نفاذِ شریعت کانفرنس میں خطاب

اسلامی سیکریٹریٹ سعودی عرب کے زیرِ نظم اسلام آباد میں منعقد ہونے والے بین الاقوامی نفاذِ شریعت کانفرنس میں ۱۰ اکتوبر ۱۹۷۹ء کی شام کو حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نے حسبِ ذیل خطاب فرمایا۔ وقت کی کمی کی وجہ سے پورے طور پر وہ اپنے خیالات کا اظہار نہ کر سکے۔ یہ تقریر اسی وقت ماہنامہ الحق کے لئے نوٹ کی گئی۔ یہ سہ روزہ کانفرنس اسمبلی ہال میں منعقد ہوئی۔ اس نشست کی صدارت امارات متحدہ عربیہ کے چیف جسٹس جناب شیخ عبدالعزیز آل مبارک ابوظہبی فرما رہے تھے۔ (ادارہ)

(خطبۂ مسنونہ کے بعد) جناب صدر محترم، علماء کرام، مندوبین حضرات۔ سب سے پہلے میں انتظامیہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے مجھے یہاں پر اپنے خیالات کے اظہار کا موقع عطا فرمایا اور جو باہر سے علماء و فقہاء پاکستان تشریف لائے ہیں ان کا بھی خیر مقدم کرتا ہوں۔

میں متفرق طور پر چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آج عالمِ اسلام میں اسلامی نظام کے قیام اور اسلامی قانون کے تنفیذ کا ایک جذبہ ابھرا ہوا ہے کسی بھی اسلامی ملک میں آپ جائیں تو ایک ہی بات مشترک طور پر محسوس کی جا سکتی ہے کہ کیا وجہ ہے کہ مسلم آبادی کا اجتماعی نظام اسلام کے اصول کے مطابق نہیں ہے۔ اس بات سے ہر شخص پریشان اور مضطرب ہے۔ اس سلسلہ میں کافی مشکلات بھی ہیں۔ زمانہ آگے جا رہا ہے جسے کوئی روک نہیں سکتا ہے۔ نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں اور چودہ سو سال سے زمانہ نئے مسائل پیدا کرتا چلا آ رہا ہے ان پر فقہی انداز سے سوچنا اور ان کے لئے قانون وضع کرنا یہ ایک مشکل مرحلہ ہے جسے ہم نے عبور کرنا ہے

اس میں سب سے بنیادی مسئلہ ہے رجوع الی کتاب اللہ وسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسول — ذٰلک خیرٌ واحسن تاویلا۔ تو بنیادی ماخذ قرآن وسنت ہوا۔ اس کے بعد ہمیں فقہا کے اجتہادات اور امت کے اجماع سے بھی استفادہ کرنا ہے۔ اگر چودہ سو سال میں کسی وقت بھی امت نے کسی ایک مسئلہ میں اجماعی طور پر کوئی فیصلہ کیا تو اس کے بعد اس کے بدلنے کا کسی کو بھی اختیار نہیں۔ کتاب و سنت کے بعد اجماع امت کا ایک مقام ہے جسے ہم نے ملحوظ رکھنا ہے۔ فروعی مسائل میں فقہا کے مجتہدات اور نظائر ہمارے سامنے ہیں تو واضح صورت حال ہمارے سامنے آجاتی ہے۔

پھر یہ ضروری نہیں کہ ہر ملک میں ایک ہی قسم کا قانون ہو اگر کسی جگہ امام ابوحنیفہ کے مقلدین ہیں اور ان کی فقہ پڑھنے پڑھانے والے ہیں۔ وہاں ان کی کتابیں کثرت سے ہیں۔ فقہ حنفی کے علماء موجود ہیں جن سے رجوع کیا جا سکتا ہے تو وہاں کا قانون فقہ حنفی کے مطابق ہوگا۔ امام شافعی مصر میں ٹھہرے تو وہاں اکثر لوگ شافعی المذہب ہیں ان کی کتابوں کے پڑھنے پڑھانے والے ہوں گے۔ ان کی کتابیں وہاں رائج ہوں گی۔ تو وہاں کا قانون اگر فقہ شافعی کے مطابق ہو تو اس میں حرج کی کوئی بات نہیں۔ مغاربہ۔ الجزائر وغیرہ میں فقہ مالکی پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ جو لوگ مجتہدات مالک کے مطابق فتوی دیتے ہیں اگر فقہ مالکی کے مطابق قانون ہو تو وہاں کے مزاج کے عین مطابق ہوگا۔ جہاں پر حنابلہ کی تعداد زیادہ ہے جیسے سعودی عرب میں، علماء حنابلہ کثرت سے ہیں تو اگر وہاں فقہ حنبلی ہو تو ہمیں محسوس نہیں کرنا چاہیے۔ ہر ملک کے مقتضیات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

جہاں تک پاکستان کا مسئلہ ہے تو یہاں غالب اکثریت فقہ حنفیہ کے مطابق ہے۔ یہاں پورا ذخیرہ کتب حنفی کا موجود ہے۔ باقی فقہا کے مجتہدات کا ذخیرہ اتنا یہاں نہیں نہ اتنے علماء۔ و فقہاء کہ جن کو رجوع کیا جائے تو لازماً فقہ حنفی کو ترجیح دی جائے گی۔ یہاں دستور پاکستان میں ہم نے صرف کتاب و سنت کو قانون سازی کا ماخذ قرار دیا ہے جس کے مطابق قانون سازی ہوگی۔ الغرض ہم کسی نزاع میں نہیں نہ ہمارا ذہن الجھا ہوا ہے۔ فقہ حنفی میں اگر کوئی مسئلہ نظر نہ آیا تو کسی اور مذہب سے بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔ اس میں ممانعت نہیں ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ یہ کون کرے اجتہاد کے تمام شرائط سے بڑھ کر اہلیت، تقوی، طہارت خداترسی ہو اس میں، کسی معمولی غلطی کو محسوس کرے تو اس سے فوراً رجوع کر سکے۔ میں سمجھتا ہوں اس وقت ہمارے ملک میں یا کسی بھی ملک میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جس میں اجتہاد کی یہ ساری شرائط ہوں۔ کوئی ایک شخص متخصص فی الحدیث ہے۔ ایک شخص فقہ اور افتاء میں متخصص ہے کوئی تفسیر کے علوم میں متخصص ہے تو کوئی لغت عربی میں۔ اگر یہ سب اکٹھے ہو کر کوئی فیصلہ کریں تو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ تمام متخصص شخص واحد مجتہد کی طرح ہے اس طرح ان کے اجتماعی مسائل و آراء کو قبول کیا جائے تو ہمارے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

تصوّف و سلوک

مولانا محمد عبدالرشید ابن خواجہ محمد نوربخش نقشبندی
پھلت شریف ضلع مظفرگڑھ

افاداتِ حضرت مجدّد الف ثانیؒ

بدعت سے اِجتناب کیوں ضروری ہے؟

حضرت سیدنا و مرشدنا و مولانا امام ربّانی مجدد الف ثانی قدس سرہ اللہ العزیز فرماتے ہیں:۔

۱۔ "بعض حضرات علمائے کرام فرماتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ حسنہ (اچھی)۔ ۲۔ اور سیئہ (بُری)

"حسنہ" وہ اس عمل کو کہتے ہیں جو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے مبارک زمانہ کے بعد پیدا ہوا ہو اور وہ عمل سنت کو رفع کرنے (مٹانے) والا نہ ہو۔

اور (اُن کے نزدیک) "سیئہ" وہ بدعت ہے جو دافع سنّت (سنّت کو مٹانے والی) ہو۔

مگر یہ فقیر (حضرت سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) ان دونوں قسم کی بدعتوں میں سے کسی بھی بدعت میں "حسن نورانیت" مشاہدہ نہیں کرتا۔ اور ان میں ظلمت اور کدورت کے سوا اور کچھ محسوس نہیں کرتا۔ اگر بالفرض بدعتی آج اس عمل کو تازہ بتازہ دیکھتے ہیں تو کل (قیامت کے دن) جب وہ "حدید البصر" (تیز نظر والے) ہوں گے تب جان لیں گے، کہ اسکا نتیجہ خسارت و ندامت کے سوا کچھ نہیں ؎

بوقتِ صبح شود ہمچو روز معلومت — کہ باکہ باختہ عشق در شب دیجور

صبح کے وقت تجھے روزِ روشن کی طرح یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ اندھیری رات میں تو کس کے عشق میں مبتلا تھا۔

حضرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مَنْ اَحْدَثَ فِی اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ

ترجمہ۔ جس شخص نے ہمارے اس (دین کے) امر میں نئی بات (بدعت) پیدا کی، جو اس میں نہیں وہ بات باطل و مردود ہے۔

جو چیز "مردود" ہو وہ "حسن" کہاں سے پیدا کر سکتی ہے۔

نیز آپ نے حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا:

اَمَّا بَعْد۔ فَاِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللہِ وَخَیْرَ الْھَدْیِ ھَدْیُ مُحَمَّدٍ وَّ شَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا وَکُلُّ مُحْدَثٍ بِدْعَۃٌ وَّکُلَّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ

ترجمہ۔ پس تحقیق بہترین کلام کتاب اللہ (قرآن مجید) ہے اور بہترین طریقہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور تمام امور میں محدثات (دین میں نئی پیدا کی ہوئی باتیں یعنی بدعتیں) بدترین ہیں۔ ہر نئی پیدا کی ہوئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

نیز آپؐ نے فرمایا کہ :-

میں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو اور (اپنے امیر کا حکم) سنو۔ اور (اگر وہ شریعت کے مطابق ہو تو) اس کی اطاعت کرو۔ اگرچہ (امیر) حبشی غلام ہی ہو۔ کیونکہ میرے بعد جو زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف دیکھے گا پس تم میری سنّت اور خلفائے راشدین مہدیینؓ کی سنّت کو لازم پکڑو۔ انہیں ڈاڑھوں سے مضبوط پکڑ لو اور نئے پیدا کئے ہوئے کاموں (بدعتوں) سے بچو ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

جب کہ دین میں ہر نئی بات "بدعت" ہے اور ہر بدعت تو ضلالت ہی ہے تو اس میں "حسن" کے معنی کیسے پیدا ہو سکتے ہیں نیز اس حدیث سے جو بات ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہر بدعت دافعِ سنّت (سنت کو مٹانے والی) ہے یہ (دافعِ سنّت) کا حکم بعض بدعتوں کے ساتھ مخصوص نہیں (بلکہ ہر بدعت کے لئے ہے) اس لیے ہر بدعت "سیئہ" (بری) ہے۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جس قوم نے (دین میں) کوئی نئی بات (بدعت) نکالی تو اللہ اس کی مانند اس کی سنّت میں سے اٹھا لیتا ہے پس سنّت کو مضبوط پکڑنا (اگرچہ وہ چھوٹی ہی ہو یہ بات کسی) نئی بات (بدعت کو جاری کرنے) سے بہتر ہے۔

حضرت حسان بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ کسی قوم نے بدعت کو جاری نہیں کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اس جیسی ایک سنّت کو اس سے اٹھا لیا پھر وہ سنّت قیامت تک اس کی طرف نہیں لوٹائی جاتی۔

۲- اس جہان میں بدعتیں بکثرت ظاہر ہونے کی وجہ سے یہ جہان ظلمات کے دریا کی طرح نظر آتا ہے بدعت کے اس تاریک دریا میں سنت کے نور کی غربت اور قلّت رات کے وقت جگنو کی روشنی کی مانند محسوس ہوتی ہے اور بدعت پر عمل اس تاریکی کو بڑھا رہا ہے اور نور کو گھٹا رہا ہے۔ لہٰذا سنّت پر عمل کرنا اس تاریکی کے گھٹانے کا باعث ہے۔ اور سنت کے نور کو بڑھانے کا ذریعہ ہے۔ اب جو شخص چاہے وہ سنّت کے نور کو بڑھائے جو چاہے وہ (بدعت پر عمل کرکے) شیطان کے گروہ کو بڑھائے اور جو شخص چاہے (وہ سنت پر عمل کرکے) اللہ تعالیٰ کے گروہ کو بڑھائے (دونوں گروہ جان لیں کہ :

اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ (المجادلہ - آیت ۱۹)

ترجمہ۔ خبردار بے شک شیطان کا گروہ ہی نقصان اٹھانے والا ہے اور اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۵ (المجادلہ ۲۲)

از ڈاکٹر پروفیسر محمد حمید اللہ صاحب فرانس

اس مضمون کے بعض مقامات پر
اظہار خیال کی گنجائش ہے جیسا
کہ مقالہ نگار نے بھی مضمون کے
آخر میں ذرا مفصل سا صفحات
اسے کو قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے

اسلامی مملکت کا دستوری تصور

اور

اصول دستور

یہ مقالہ شہرۂ آفاق سکالر و محقق اسلام علامہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب حال مقیم فرانس نے شریعت سیمینار اسلام آباد منعقدہ ۹ تا ۱۱ اکتوبر ۷۹ء میں پڑھا جو نذرِ قارئین ہے۔ "الحق"

اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ سہولت بخش ہوتا اگر مدعو افراد کو ایک سوال نامہ بھی بھیجا جاتا تاکہ وہ کچھ تیار ہو کر آتے اور کچھ ایسی چیزیں لکھ بھی بھیجتے جن کی ضرورت ہے نہ کہ ایسے امور جو شاید تحصیل حاصل ہوں۔ بہر حال فرمائش کی تعمیل اپنی حقیر قابلیت کے مطابق کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

بطور تمہید شاید یہ بیان کرنا تحصیل حاصل نہ کرنا ہوگا کہ دنیا میں انسانوں کی حکومت کا باعث کیا ہوا ہے۔

دنیا میں انسان کی حکومت | عام طور پر مشہور ہے کہ حضرت آدم و حوا شجرہ ممنوعہ کے قریب گئے تو سزا کے طور پر انہیں جنت سے نکال دیا اور خدا نے انہیں زمین پر بھیج دیا۔ اس پر دوبارہ جنت میں کیوں نہ داخل کر دیا گیا اور کیوں قید خانہ دنیا میں قیدی کو فرماں روائی دی گئی؟ معلوم ہوتا ہے کہ اسرائیلیات کے باعث یہ خیالات مسلمانوں میں پھیلے ہیں۔ کیونکہ قرآنی تصریحات سے ان کی تائید نہیں ہوتی۔

قرآن مجید میں دو جگہ اس قصے کا ذکر ہے (سورہ ۲ آیت ۳۷-۳۸) میں ہے۔

"فتلقی آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ انہ ھو التواب الرحیم قلنا اھبطوا منھا جمیعاً"

دوسری آیت میں (سورہ ۲۰۔ آیت ۱۲۱ تا ۱۲۳) میں ہے۔

وعصیٰ آدم ربہ فغویٰ ثم اجتباہ ربہ فتاب علیہ وھدیٰ قال اھبطا منھا جمیعا ہ

دونوں جگہ صراحت ہے کہ توبہ قبول کرنے کے بعد خدا نے آدم و حوا کو حکم دیا کہ جنت سے "ہبوط" کریں یہ بات معقول نہیں کہ توبہ قبول کرنے کے بعد کسی کو سزا دی جائے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ قرآن میں "ہبوط" کے معنی بلندی سے پستی میں گرا دیے جانے کے نہیں ملتے۔ یہ لفظ حضرت نوحؑ کے متعلق ہے کہ طوفان کے اختتام پر کشتی سے نکل کر خشک زمین پر جائیں (یٰنوح اھبط بسلام منا و برکات) اور دوسری جگہ ہے بنی اسرائیل کو لذیذ تر چیزوں کی غذا مطلوب ہے تو صحرا کی جگہ شہر میں جا رہیں (اھبطوا مصرا فان لکم ما سالتم) غرض ہبوط کے معنی جاننے کے ہیں گرنے اور خراب حالت میں آنے کے نہیں۔ اس پس منظر میں حضرت آدم کا قصہ یہ نظر آتا ہے کہ خدا نے فرشتوں کو پیشگی اطلاع دی۔ "انی جاعل فی الارض خلیفہ" (میں زمین میں ایک نائب بنانا چاہتا ہوں) فرشتوں نے جب یہ معلوم ہوا کہ اس سے خاکی آدم مراد ہے تو انہوں نے حیرت سے پوچھا کہ یہ رتبہ تو کسی مطیع کو ملنا چاہیئے نہ کہ مفسد اور سفاک کو۔ لیکن جلد ہی فرشتوں نے اعتراف کیا کہ ان کا علم محدود اور ناقص ہے۔ اس کے بعد جب خدا نے آدم کو پیدا کیا تو خلافت پر تعین من مانے نہیں ہوا۔ قرآن کا بیان ہے۔

"انا عرضنا الامانۃ علی السموٰت والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وحملھا الانسان انہ کان ظلوما جھولا "

"ہم نے امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کو پیش کی لیکن انہوں نے قبول نہ کیا اور وہ ڈرے مگر انسان نے اپنی ناانصافی اور جہالت کے باوجود اسے قبول کر لیا"

یقیناً خدا کی نیابت ہر کسی نے چاہی ہو گی۔ لیکن شرطیں انہیں کڑی معلوم ہوئیں یعنی خدا نے کہا تقدیر تو میں کروں گا لیکن جواب دہ یہ خلیفہ قرار دیا جائے گا۔ اور اس پر اوروں کو ڈر لگا اور امانت قبول کرنے سے خود ہی ہو کر انکار کر دیا۔ وہ انکار خود خود ہوشیار۔ انسان نے شاید یہ سوچا کہ خدا ظلم نہیں کر سکتا اور مجھے اس چیز کی سزا دی جائے گی جو میں نے نہ کی یا میرے امکان سے باہر ہو۔ پھر جب آدم نے قبول کر لی اور خلاق عالم کا خلیفہ بن گیا تو اسے مسجود ملائک بھی بنایا گیا۔ اور جنت میں اسے رہنے کو جگہ دی گئی۔ اس کے کچھ بعد شجرہ ممنوعہ کا حادثہ پیش آیا۔ جب آدم و حوا نے معافی مانگی تو ان کی توبہ قبول ہوئی اور اس کے بعد انہیں حکم ملا کہ خلافت الٰہی کا جائزہ لینے زمین پر جاؤ۔ یہ سزا نہیں سرفرازی تھی۔ گھر جنت ہی میں رہا۔ ملازمت کرنے زمین پر بھیجا گیا۔ خدمت انجام دینے کے بعد گھر آئیں تو جنت ہی میں رہیں گے۔

چونکہ زمین یا کائنات کی عمر طویل تر رکھی گئی اور انسان کی عمر مختصر تر۔ اس لئے ناگزیر تھا کہ آدم کی وفات کے بعد ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد کو تاقیام قیامت خلافت کرنی پڑے۔

یہ ہے انسان کی حکومت ارضی کا پس منظر۔ انسانی سماج کا ارتقا معلوم ہے۔ اور اس کا حرف اخیر ختم الانبیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلوایا گیا۔

اسلامی حکومت | تبلیغ نبوی کا تاریخی مطالعہ کریں تو نظر آتا ہے۔ اسلام سے مراد شروع میں خدائے واحد کو ماننا اور اس کو حساب دینے کے لئے صحیح علم حاصل کرنا تھا (اقرا باسم ربک الذی خلق اقرا وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم) اس کے بعد عمل صالح کا مطالبہ ہوا۔ (اما الیتیم فلا تقہر واما السائل فلا تنہر) تبلیغ پر یہ استہزا چند ٹھٹول ہوا اور اذیت دی جانے لگی جس سے نہ مبلغ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑا گیا۔ نہ ایمان والے رضی اللہ عنہم کو۔ جب اذیت ناقابل برداشت ہوگئی تو ہجرت حبشہ کا مشورہ دیا گیا۔ لیکن مفسدین مکہ نے فوراً ایک وفد بھیج کر ان پناہ گزینوں کے استرداد کا مطالبہ کیا۔ نجاشی نے انصاف پسندی کے باعث انکار کیا تو اہل مکہ نے کھسیانی بلی کی طرح رسول اکرم اور آپ کے اہل خاندان کا مقاطعہ کیا کہ کوئی نہ ان سے بات کرے نہ ان سے خرید و فروخت کرے نہ شادی بیاہ۔ اور سارے قبائل مکہ اور ان کے اطراف و اکناف کے حلیف قبائل نے اس میں شرکت کی۔ اس مقاطعے کے جو تین سال جاری رہا۔ شدت اتنی تھی کہ کئی آدمی بھوک پیاس سے مر گئے۔ اور ایک معجزہ تھا اور ایک معجزہ تھا کہ مابقی جانبر ہو سکے۔ جب مقاطعہ آخر ٹوٹا تو رسول اکرمؐ کو ایک شدید تر ابتلاء سے سابقہ پڑا۔ انیس بیوی حضرت خدیجہؓ اور شفیق بزرگ خاندان ابو طالب نے وفات پائی۔ اور نئے رئیس قبیلہ ابولہب نے رسول اکرمؐ کو طرد (یعنی کنبہ بدر) کر دیا۔ اس کے معنی یہ تھے کہ جو چاہے حضورؐ کو مار ڈالے۔ قبیلہ نہ آپ کی مدافعت کرے گا نہ قاتل سے باز پرس۔ اس پر مجبوراً رسول اکرمؐ نے ترک وطن فرمایا۔ اور چاہا کہ طائف میں متوطن ہو جائیں۔ لیکن وہاں کی فضا مکہ معظمہ سے بھی بدتر نظر آئی۔ کیا کریں اور کہاں جائیں؟ اس بے بسی کے عالم میں وہ مشہور عالم دعا کی جو خاتم الانبیا ہی سے ممکن تھی۔ اور جو اب بھی دلوں کو تڑپا دیتی ہے۔

اللھم الیک اشکو ضعف قوتی، وقلۃ حیلتی، و ھوانی علی الناس۔ یا ارحم الراحمین انت رب المستضعفین، و انت ربی۔ الی من تکلنی؟ الی بعید یتجھمنی ام الی عدو ملکتہ امری؟ ان لم یکن بک علی غضب فلا ابالی۔ ولکن عافیتک ھی اوسع لی۔ اعوذ بنور وجھک الذی اشرقت لہ الظلمات، وصلحت علیہ امر الدنیا والاخرۃ من أن ینزل بی غضبک، او یحل علی سخطک۔ لک العتبی حتی ترضی ولا حول ولا قوۃ الا بک۔

ایک عزم مصمم کے ساتھ مکہ ہی واپس ہوتے ہیں لیکن اسوۂ حسنہ قائم کرنا تھا۔ عالم اسباب کی ضرورتوں کے مطابق عمل فرماتے ہیں۔ مکے میں وہاں کے باشندے کی طرح نہیں ایک پناہ گزین کی طرح جاتے ہیں۔ اور مضافات میں پہنچ کر پہلے اپنی بیوی حضرت سودہؓ کے ایک رشتہ دار سہیل بن عمرو سے پناہ دہی کی خواہش کرتے ہیں۔ اس نے معذرت کی تو اخنس بن شریق سے جو آپ کی ماں کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا اس نے بھی انکار کیا تو اپنی مرحوم بیوی حضرت خدیجہؓ کے ایک رشتہ دار مطعم بن عدی سے خواہش ظاہر کی۔ اس نے قبول کر لیا۔ اور شہر سے باہر جا کر آپ کو ساتھ لے آیا۔ مگر اس کے معنی یہ تھے کہ اب آپ شہر مکہ کی "سیاست" میں حصہ نہ لیں یعنی تبلیغ سے باز رہیں۔ اس کا حل آپ نے یوں فرمایا۔

حج کے زمانے میں باہر سے آنے والے حاجیوں میں پرچار کریں۔ اور ممکن ہو تو جا کر انہی میں بس جائیں۔ اس کی کوشش کی اور یکے بعد دیگرے پندرہ قبیلوں کے حاجیوں میں گئے اور ناکام رہے۔ استقلال کے کیا کہنے پھر بھی ہمت نہ ہاری۔ آخر سولھویں گروہ نے جو چھ اہل مدینہ پر مشتمل تھا اسلام کو فوراً قبول کر لیا۔ اور اس خلوص کے ساتھ کہ گھر جا کر اس کی تبلیغ کی اور ایک سال بعد بارہ نئے جویائے حق لوگوں کو بھیجا۔ انہوں نے بیعت کرنے کے بعد التجا کی کہ ایک مبلغ و مدرس کو مدینہ بھیجیں۔ اس کی کوشش سے ایک ہی سال بعد بہتر آدمی حج کے زمانے میں آ کر نہ صرف مسلمان ہوئے بلکہ عرض کیا کہ آپ اور سارے مصیبت زدہ مسلمان مدینہ ترک وطن کر لیں۔

مکی مسلمان بتدریج مدینہ جانے لگے تو مشرکین کو خوف ہوا کہ کہیں ایک دن یہ مکے پر چڑھائی نہ کر دیں۔ اس لئے جبر بروا کر نا طے کیا یعنی سرور کائنات ہی کو شہید کر دیں۔ اس پر حضورؐ اور آپ کے یار غار ابوبکر صدیقؓ بھی مدینہ روانہ ہو جاتے ہیں۔ مگر اہل مکہ اس پر بھی چین لینے نہیں دیتے۔ انہوں نے اہل مدینہ کو دھمکی لکھ بھیجی کہ یا تو وہ آں حضرت کو قتل کر دیں یا اپنے ملک سے نکال دیں۔ ورنہ اہل مکہ مناسب تدبیریں اختیار کریں گے۔

اب رسول اکرمؐ نے محسوس فرمایا کہ مذہب کی تبلیغ کے لئے اس کی مدافعت بھی ناگزیر ہے۔ یہ ہے وہ پس منظر جس میں آپ نے مدینے میں ایک شہری مملکت کی بنیاد رکھی۔ اس کے لئے جو تدبیریں اختیار کیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اولاً مہاجرین کی بسر برد کا انتظام کیا اور اس کے لئے ان میں اور اہل مدینہ میں مؤاخات کی تجویز پیش فرمائی اہل مدینہ کی نیک دلی نے چشم زدن میں کئی سو پناہ گزینوں کی ساری مشکلوں کو حل کر دیا۔ اس کے بعد آپ مدینہ اور آس پاس کے سارے مسلمانوں اور غیر مسلم قبائل کے نمائندوں کو جمع فرما کر ان سے فرمایا کہ تمہارے علاقے میں کوئی مملکت یا مرکزیت نہیں ہے۔ اور نتیجہ یہ ہے کہ ہر قبیلہ اپنے آپ پر تکیہ کرنے پر مجبور ہے اور اپنے سے قوی تر دشمن کے مقابلے میں بے بس ہے۔ اس لئے کیوں نہیں یہاں ایک مملکت قائم کی جائے جس میں ہر قبیلے کو آزادی بھی رہے اور دشمن سے مقابلے کے لئے ہمسایوں کی معاونت بھی۔ بات دل کو لگی اور مسلمانوں غیر مسلم عربوں اور یہودیوں

اسے قبول کر لیا۔ قبیلہ اوس کے تین قبیلے جو ابو عامر راہب کے تابع تھے اور غالباً عیسائی تھے اس سے الگ رہے اس طرح شہر مدینہ کے ایک حصے میں ایک شہری مملکت کا قیام عمل میں آیا۔ اور اس کے لئے باہمی مشاورت سے ایک تحریری دستور بھی مدون ہوا جو من و عن تاریخ میں نقل ہو کر ہم تک پہنچا بھی ہے (جس کا ذکر آگے آئے گا)

اس زمانے میں نہ صرف تبلیغ دین کا کام جاری رہا ہے بلکہ تدبیریں بھی اختیار کی جاتی رہیں۔ مثلاً یہ حکم دیا گیا کہ مسلمان ہر جگہ سے ترک وطن کر کے مدینہ آ بسیں۔ اس طرح مسلمان جلدی ہی مدینے میں اقلیت کی جگہ اکثریت بن جائیں محرم ۲ ہجری جیسے ابتدائی زمانے میں ہجرتِ نبوی کے صرف نو ماہ بعد مدینے کے مضافات جبل جہین نامی مقام پر قبیلہ اسلم کے نومسلموں کی ایک نوآبادی ملتی ہے جیسا کہ سمہودی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

شہری مملکت مدینہ کی تاسیس کے فوراً بعد رسول اکرمؐ نے مدینہ کے اطراف کے قبائل پر توجہ فرمائی شمال میں جہینہ، جنوب مغرب میں بنی ضمرہ، بنی غفار وغیرہ کے علاقوں کا سفر کر کے ان کے سامنے بھی دفاعی حلیفی پیش کی۔ کہ تم پر کوئی حملہ کرے تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ اور ہم پر کوئی حملہ کرے تو تم بھی ہماری مدد کو آؤ۔

جب اس میں معتدبہ کامیابی ہوئی اور اسلامی سرزمین کی حفاظت کے ابتدائی انتظامات حسب دل خواہ مکمل ہو گئے تو مکے کو زیر کرنے کی تدبیر شروع کی گئی۔ اور اس کے لئے جنگ کی جگہ معاشی دباؤ کو ترجیح دی گئی چنانچہ حکم دیا گیا کہ مکے کے تجارتی کارواں (عراق، شام اور مصر) کو جانا چاہیں تو مدینے اور اس کے زیر اثر (حلیف) علاقے سے نہ گزریں۔ اہل مکہ نے اسے قبول نہ کیا اور زبردستی گزرنا چاہا۔ اس پر بدر، احد اور خندق کی جنگیں ہوئیں۔ پھر حدیبیہ کی صلح اور آخر میں فتح مکہ اور اہل مکہ کے خوش دلانہ اسلام قبول کر لینے پر اس کش مکش کو جو بیس سال جاری رہی حسن اختتام نصیب ہوا۔

اس اثنا میں دوسرے محاذوں پر بھی عملیت جاری رہی۔ اور فتح مکہ کے ڈھائی سال بعد جب رسول اکرمؐ نے وفات پائی تو اس وقت اسلامی مملکت جو سن ہجری میں شہر مدینہ کے ایک حصہ پر شروع ہوئی تھی بڑھتے بڑھتے تین ملین مربع کیلومیٹر علاقے پر پھیل گئی تھی۔ اور عجوبہ روزگار یہ ہوا تھا کہ روزانہ ساڑھے آٹھ سو مربع کلومیٹر کے مسلسل الحاق کے باوجود دشمن کا ماہانہ مشکل سے ایک آدمی میدان جنگ میں قتل ہوتا رہا۔ دس سال کے ایک سو بیس مہینوں میں بمشکل دشمن کے دو سو آدمی کھیت رہے اور تین ملین کلومیٹر کو اسلامی امن چین اور خدائی حکومت نصیب ہو گئی۔

اس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ اس لئے چند نکات کی طرف اشاروں پر اکتفا کروں گا۔

تحریری دستور | رسول اکرمؐ نے تاریخ عالم میں پہلی دفعہ تحریری طور پر دستور مملکت مدون اور نافذ فرمایا

ابن ہشام کی سیرت رسول اللہ نے ۔ ابو عبید کی کتاب الاموال نے اور ابن ابی خیثمہ کی روایت کو ابن سید الناس نے نقل کیا ہے اور یہ باون دفعات پر مشتمل ایک جامع دستور ہے جس میں اس زمانے کی ساری ضرورتوں کو صراحت سے بیان کیا گیا ہے ۔ مثلاً پہلی دفعہ میں ذکر ہے کہ مسلمان انصار و مہاجرین سے ان کے تابع ہونے والوں اور ان کے ہمراہ جنگ پر آمادہ لوگوں پر مشتمل ایک "امت" قائم کی جاتی ہے جو ساری دنیا کے مقابلے میں ایک مستقل وحدت کی حیثیت رکھتی ہے ۔ اس میں یہودیوں کے لئے کامل دینی آزادی کی صراحت ہے مسلمانوں میں عاقل یعنی سماجی بیمے کا نظام قائم کیا گیا ہے ۔ اور دلچسپ طور پر قبائلیت کے خاتمے کا انتظام کیا گیا ہے ۔ چنانچہ اول تو یہ حکم ہے کہ اگر ایک قبیلے کی ضرورت کے لئے اس کا اپنا معاقل سرمایہ کافی نہ ہو تو دوسرے ہمسایہ قبیلوں کی انجمن ہائے بیمہ اس کی مدد کریں ۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ مکی مہاجرین کا ایک نیا قبیلہ قائم کیا گیا ۔ اہل مکہ ایک نہیں بکثرت قبیلوں کے تھے مگر ان کی تعداد اتنی کم تھی کہ سارے مہاجرین کا ایک قبیلہ مہاجرین قرار دیا گیا ۔ دوسرے الفاظ میں قبیلہ خونی رشتہ داری پر نہیں بلکہ ہم خیال لوگوں کی خواہش اتحاد پر مبنی ہو ۔ اس طرح قبائلی اختلاف کی جگہ اسلامی اتحاد ذہنوں میں راسخ کیا گیا ۔ اور جلدی ہی دارالسلام اور دارالکفر دنیا میں صرف دو قومیں قبول کی گئیں ۔ جب تک مسلمانوں نے اسے نہ بھلایا "اسمعوا واطیعوا ولو امّر علیکم حبشی اجدع" اولاد آدم کی خوش بختی کا سامان کرتی رہی ۔ مغرب جدید کی خونی ۔ رنگی ۔ زبانی اور جغرافی قومیتیں مسلمانوں میں آئیں تو مسلمانوں ہی نہیں ساری انسانیت کے لئے خسارے کا باعث بنیں اور بدقسمتی سے ہنوز اس کا سلسلہ جاری ہے ۔

اس دستور میں انصاف کو افراد یا قبیلے سے بھی لے کر مرکز کے سپرد کیا گیا ہے ۔ جو اس زمانے کے لئے ایک انقلابی واقعہ تھا ۔ عدل گستری اگرچہ ایک حد تک قبائلی سرداروں کے سپرد رہی ۔ لیکن ایک تو بین القبائل جھگڑوں میں اور دوسرے مرافعہ (اپیل) میں مرکز سے رجوع ناگزیر تھا ۔ جنگ اور صلح کو مشترکہ مفاد کا مسئلہ قرار دیا گیا اور ناقابل تقسیم یعنی یہ نہیں کہ چند کنبوں اور قبیلوں سے صلح ہو اور باقی رعایا سے جنگ ۔ قانون سازی بھی مرکزی مسئلہ رہی اور ہر ملت (مسلمان، یہودی وغیرہ) من حیث الکل خود مختار رہی اور ظاہر ہے کہ اسلام کے لئے قرآن و حدیث ہی واحد ماخذ تشریع رہے ۔

اس دستوری دستاویز کی کامل تحلیل یہاں بے محل ہو گی ۔

طرز حکومت | قرآن مجید میں صرف بادشاہوں کا ذکر ہے ۔ اچھے بادشاہ بھی جیسے حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ ۔ اور برے بادشاہ بھی جیسے فرعون اور نمرود ۔ دوسرے الفاظ میں بادشاہت کوئی ممنوع طرز حکومت نہیں قرآنی آیت ان الملوك اذا دخلوا قریۃ افسدوھا سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا ۔ بلکہ بلقیس کے اس قول کو قرآن نے نقل کیا ہے اور وہ برے بادشاہوں کے طرز عمل سے عبارت ہے جس طرح خضر علیہ السلام کے

الکہف

قصے میں بیان شدہ اچھے جہازوں کو ظلم سے ضبط کرنے والے بادشاہ کا ذکر ہے کہ:

"کان وراءھم ملک یاخذ کل سفینۃ غصبا"

قرآن میں جمہوریت کا کہیں ذکر نہیں ہے اگرچہ قبل اسلام یونان و روما میں جمہوریتیں قائم ہو چکی تھیں۔ سنت نبویؐ میں مشترکہ حکمرانی کو برقرار رکھنے کا بھی ذکر ہے (جو آج کل بعض ملکوں میں پائی جانے والی جماعتی کالیجیل گورنمنٹ سے مشابہت رکھتی ہے) چنانچہ عمان میں جیفر بن الجلندی اور عبد بن الجلندی دو بھائی مشترکہ حکمران تھے رسول اکرمؐ نے ان کے اسلام لانے پر انہیں ان کی مشترکہ حکمرانی پر برقرار رکھا۔

اس صورت حال کے باوجود رسول اکرمؐ کی وفات پر مسلمانوں نے بادشاہت قائم نہیں کی اور نہ بادشاہت کو واجب سمجھا بلکہ صرف جائز قرار دیا، اور اپنے لئے خلافت راشدہ کو پسند کیا۔ یعنی بادشاہت سے مراد ایک خاندان میں موروثی طور پر حکمران کا پایا جانا ہوتا ہے جو تاحیات حکمرانی کرتا ہے۔ اور عموماً کارفرما حکمران اپنے کسی قریبی رشتہ دار کو اپنا جانشین نامزد کرتا ہے اور کبھی اتفاقاً وہ کسی کی نامزدگی کے بغیر مر جاتے تو ارباب حل و عقد اس کے کسی رشتہ دار کا انتخاب کر لیتے ہیں۔ اور کوئی دشمن فتح اور غلبہ حاصل کر لے تو اسے تسلیم کر لیتے ہیں اور پھر ایک نیا خانوادہ برسر اقتدار آ جاتا ہے۔ جمہوریت میں مادام الحیات کی جگہ معین مدت کے لئے انتخاب عمل میں آتا ہے۔

جمہوریت ہی نہیں بادشاہت میں بھی حکمران کے فرائض اور اختیارات معین ہو سکتے ہیں۔

رسول اکرمؐ نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی۔ اس بیان میں حضور کی توہین نہیں کیونکہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمانؑ بھی بیک وقت نبی اور بادشاہ تھے۔ رسول اکرمؐ کی وفات پر آپ کے چچا عباسؓ اور چچازاد بھائی علیؓ کی خواہش ضرور نظر آئی کہ خانوادہ دار اور روائتی حکومت قائم کریں۔ لیکن امام بخاریؒ کی روایت کے مطابق رسول اکرمؐ نے فرمایا تھا لن نستعمل علیٰ امرنا من اراده (کوئی شخص حکومت کے کسی عہدے کا خواہش مند ہو تو ہم اسے کبھی اس پر مامور نہیں کریں گے) صحابہ کی اکثریت نے جب اپنے لئے خلافت راشدہ (یعنی غیر موروثی منتخب اور مادام الحیات حکمرانی) کو پسند کیا تو خدا نے اہل بیت نبوی کو اس برائی سے بچا دیا جس میں وہ بے خیالی سے ملوث ہونا چاہتے تھے۔

جیسا کہ عرض ہوا۔ خلافت راشدہ کوئی جمہوریت نہ تھی کیونکہ خلفاء راشدہ کا انتخاب معین مدت کے لئے نہیں کیا جاتا تھا جو جمہوریت کا اساسی اصول ہے۔ وہ بادشاہت بھی نہ تھی کیونکہ رشتہ دارانہ وراثت کا اس میں لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا۔ بعض مورخوں کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے بعد اپنے بیٹے امام حسن کو ولی عہد نامزد کیا تھا۔ اگر یہ صحیح ہے تو خانوادہ دار بادشاہت اور باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی نہ صرف "وورث سلیمان داؤد" کی آیت پاک کے مطابق ہوگی۔ بلکہ خلفائے راشدین کی نظیر بھی اس کی تائید میں

پیش کی جاسکے گی۔

خلافت راشدہ کے انتخاب میں ہمیں کئی اصول کارفرما نظر آتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کا انتخاب ارباب حل وعقد خود کرتے ہیں کیونکہ سابقہ حکمران کی کوئی سفارش صراحت سے موجود نہ پائی گئی۔ حضرت عمرؓ کے لئے سابق خلیفہ نے صراحت کی ان کی دفات پر چھ بہترین افراد جن کا نام اس وصیت نامے میں تھا۔ کسی ایک کا اپنے میں سے انتخاب کریں۔ اور اگر رائیں مساوی ہو کر گنتھی پڑجائے تو ایک ساتویں رکن کو بھی نامزد کیا کہ صرف گنتھی کی حالت میں رائے دے۔ اور بھی اس فریق کے لئے ہمیں کی طرف حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہوں اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب حضرت عمرؓ زخمی ہوئے تو حضرت عبدالرحمٰن کو یاد فرمایا۔ انہوں نے خیال کیا کہ شاید مجھ ہی کو ولی عہد بنانا چاہتے ہیں۔ اس لئے آتے ہی سلام کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ مجھے خلیفہ نامزد نہ کیا جائے۔ مجلس انتخاب نے انتخاب کا فریضہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کے سپرد کر دیا۔ اور جیسا کہ ابن کثیر نے صراحت سے بیان کیا ہے انہوں نے کئی دن اور کئی رات شہر مدینہ کے ہر طبقے کے لوگوں سے رائے پوچھیں۔ عالموں سے بھی تاجروں سے بھی۔ عارضی مقیم مسافروں سے بھی۔ طلبہ سے بھی۔ اساتذہ سے بھی۔ مردوں سے بھی۔ عورتوں سے بھی اور دیکھا کہ ان ہزاروں آدمیوں میں سے صرف دو حضرت علی کے لئے اور باقی حضرت عثمان کے لئے تھے۔ اس رائے طلبی کے بعد بھی انہوں نے دونوں امیدواروں سے پوچھا۔ کیا آپ وعدہ کرتے ہیں کہ قرآن اور سنت نبوی اور ابوبکرؓ و عمرؓ کی نظیروں کے مطابق عمل کروگے ؟

حضرت عثمانؓ نے ہاں کہا۔ اور حضرت علیؓ نے کہا کہ قرآن وحدیث بے شک۔ لیکن ابوبکرؓ و عمرؓ کی طرح مجھے بھی اجتہاد کا حق ہے۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے حضرت عثمان کے انتخاب کا اعلان کیا۔ جہاں تک امام حسنؓ کا تعلق ہے ہم نے ابھی اوپر بیان کیا کہ بعض مورخوں کے مطابق انہیں ان کے والد حضرت علیؓ نے اپنا جانشین نامزد کیا تھا اگرچہ دوسرے مورخ کہتے ہیں کہ ان کے الفاظ یہ تھے۔

"حسن کی بیعت کا نہ میں تمہیں حکم دیتا ہوں اور نہ اس سے منع کرتا ہوں"

اقتدار اعلیٰ اقتدار اعلیٰ سے مراد یہ ہوتی ہے کہ قانون سازی ہو یا کوئی اداری وانتظامی امر، حرف آخر کیسے حاصل ہو ؟ اس سلسلے میں اکثر اسلامی ممالک میں آج کل ڈیموکریسی کی اصطلاح روز افزوں استعمال ہونے لگی ہے۔ اس لفظ کے لغوی معنے ہیں عوام الناس کی حکومت۔ یعنی اہل ملک کی اکثریت کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہے اور یہ ہر امر میں۔ عوام یا ان کے نمائندے مذہب کو بھی بدل سکتے ہیں دن کو رات یا رات کو دن کہہ سکتے ہیں۔ اگرچہ وہ ایسا نہ کریں۔ لیکن انہیں ایسا کرنے کی کامل آزادی حاصل ہے۔ اس وجہ سے یہ اصطلاح اسلامی حکومت کے لئے موزوں نہیں۔ اس لئے پاکستان نے یہ طے کیا تھا کہ اقتدار اعلیٰ خدا کی ذات کو حاصل ہے اور یہ انسان کی امانت

میں دیا گیا ہے۔ یعنی خدا اور رسولؐ نے جو احکام دیتے ہیں وہ بدلے نہیں جاسکتے اور قرآن و سنت کے سکوت کے وقت قرآن و سنت میں بتائے ہوتے اصول کے مطابق احکام کا استنباط کیا جائے۔ خاص کر حدیث معاذ رضی اللہ عنہ " نحکم بکتاب اللہ - فان لم تجد فبسنۃ رسول اللہ ؟ فان لم تجد اجتھد برائی

قرآن میں بارہا مشورت پر زور دیا گیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں سبعین رجلا لمیقاتنا میں کثیر جماعت کی ایک متناسب قلیل جماعت کے ذریعے سے نمائندگی کا جواز بھی بتایا گیا ہے لیکن طریقۂ انتخاب کی تفصیلیں نہ ہونے کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں انسان کو حسب ضرورت عمل کی آزادی ہے۔

جو لوگ انتخاب کرتے ہیں انہیں معزول کرنے کا بھی حق ہونا ناگزیر ہے مثلاً ہمارے بڑے بڑے فقہا میں سے کاسانی (بدائع الصنائع ، ج ۷ ص ۱۶) نے خلیفہ کو وکیل سے مشابہت دی ہے اور جس طرح کوئی موکل جب چاہے اپنے وکیل کو معزول کرسکتا ہے۔ خلیفے کو بھی اصحاب حل و عقد معزول کرسکتے ہیں۔ ان حالات میں حکمران کے مادام العمر انتخاب میں کوئی عملی قباحت بھی نہیں رہتی۔ ملک کی مجلس مشاورت جب چاہے نااہل حکمران سے گلو خلاصی کرسکتی ہے۔ موقتی انتخاب میں اچھے حکمران کے تجربوں سے محرومی سے سابقہ رہتا ہے۔

یہ بھی یاد دلانا چاہئے کہ اسلامی نظام میں بیعت کو ہمیشہ سے اہمیت رہی ہے۔

رسول اللہؐ پر ایمان لانے والے لوگ بھی بیعت کرتے اور اطاعت کا وعدہ کرتے تھے۔ اگر کسی حکمران نے اپنے جانشین کو نامزد بھی کیا ہو تو وہ صرف سفارش ہوتی ہے۔ اور اس کی تکمیل کے لئے ارباب حل و عقد بیعت کرتے ہیں جو لوگ بیعت کرکے کسی کو مامور کرتے ہیں تو وہ معزول بھی کرسکتے ہیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ خود حکمران استعفا بھی دے سکتا ہے۔ اس سلسلے میں امام حسن کی مثال دی جاسکتی ہے۔ حضرت علی کی وفات پر ان کے متبعین نے امام حسن کی بیعت کی لیکن فوج میں اتنی بدنظمی تھی کہ انعام و اکرام کے مطالبے پر جب امام حسنؓ نے حسب دل خواہ رقم تقسیم نہ کی تو فوج نے خلیفہ کا خیمہ لوٹ لیا اور وہ زخمی ہوکر جان بچا کر وہاں سے بھاگ سکے اور مدینے میں پناہ لی۔

اس کے بعد حضرت معاویہؓ سے انہوں نے معاہدہ کرکے اپنی خلافت سے ان کے حق میں دست برداری دی اور یہ شرط کی کہ حضرت معاویہؓ کے بعد وہ ساری اسلامی سرزمین کے خلیفہ ہوں گے (مگر وہ حضرت معاویہؓ کے جیتے جی فوت ہوگئے۔

غیر مسلم رعیت | اسلام نے "لا اکراہ فی الدین" کا قابل نازاصول قائم کیا ہے۔ اسی طرح غیر مسلم لوگ اگر رعایا بننا قبول کریں تو انہیں ہر طرح کی آزادی رہتی ہے۔ اور اس سلسلے میں " ولیحکم اہل الانجیل بما انزل اللہ فیہ " کا اصول بھی قرآن مجید نے صراحت سے واجب قرار دیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ عہد نبوی ہی سے غیر مسلموں کو اسلامی

مملکت میں نہ صرف ضمیر، دین اور عبادت کی، بلکہ قانون کی بھی خوداختیاری حاصل رہی ہے۔ کسی مقدمے کے، چاہے دیوانی ہو
یا فوجداری۔ فریقین مثلاً عیسائی ہوں تو عدالت بھی عیسائی۔ حاکم عدالت بھی عیسائی اور قانون بھی عیسائی ہوتا ہے اور
مرافعہ (اپیل) تک اسلامی عدالت میں نہیں آتا۔

اس میں دو ایک ذیلی استثنا ہیں۔ اگر غیر مسلم فریقین خود اپنی ملی عدالت کو ترک کریں اور اسلامی عدالت
میں رجوع کریں تو اس سے انکار نہیں کیا جاتا۔ اصولاً تو اس صورت میں فریقین پر اسلامی قانون نافذ ہونا چاہیے تھا۔
لیکن عہد نبوی کی متعدد نظیریں ہیں کہ رسول اکرمؐ نے ان غیر مسلموں پر جو آپ کے پاس رجوع ہوئے تھے انہیں کا قانون
نافذ فرمایا۔ غالباً اسی وجہ سے امام محمدؒ شیبانی نے اپنی کتاب السیر الکبیر میں صراحت کی ہے کہ ان کے زمانے میں
مسلمان قاضی غیر مسلم فریقین پر انہیں کے قانون کے مطابق فیصلہ کیا کرتا تھا۔

دوسرا مسئلہ جس میں پیچیدگی پیدا ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ کسی مقدمے کے فریق دو مختلف ملتوں کے ہوں
ایک عیسائی اور ایک یہودی، یا ایک مسلمان اور دوسرا غیر مسلم۔ اس کا تعلق تصادم قوانین (کنفلیکٹ آف لا)
سے ہے۔ اور علی العموم مدعی علیہ کے قانون کے مطابق فیصلہ کیا جاتا ہے۔ غیر مسلم رعایا کو مذہبی اور قانونی خود
اختیاری دینے سے تجربہ بتاتا ہے کہ اسلامی حکومت کو کبھی نقصان نہ پہنچا۔ خلفائے راشدین کے زمانے سے
لے کر حروب صلیبیہ اور اس کے بعد تک کی ان گنت نظیریں ہیں کہ جب کبھی کسی غیر مسلم حکمران نے اسلامی سرزمین پر حملہ کیا
اور اپنے ہم مذہب ذمیوں کو اکسایا کہ بغاوت کریں تو انہوں نے ہمیشہ یہ جواب دیا کہ ہم تیری رعیت بننے پر مسلمانوں
کی رعیت رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ عیسائی مورخوں اور پادریوں نے جل کر ان "فضیحت آمیز" جوابات کا ذکر کیا ہے۔

اس قانونی مرکز گریزی سے بعض دشواریاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ لیکن مسلمانوں کو اس کا چودہ سو سال سے تجربہ
ہے۔ مثلاً غیر مسلم رعایا کو شراب نوشی اور شراب فروشی کی آزادی رہ سکتی ہے۔ اور مسلمان اس سے "فائدہ" نہیں
اٹھاتا۔ غیر مسلم کتابیہ عورت سے مسلمان نکاح کرے تو غذا کے علاوہ بچوں کی تعلیم و تربیت کے مسئلے بھی پیدا
ہوتے ہیں۔ مشترکہ مسائل میں غیر مسلم رعیت کو مشاورت میں بھی شریک رکھا جاتا ہے۔ اور حضرت عمرؓ کے زمانے
کی نظیریں اس بارے میں موجود ہیں۔

مالی مسائل میں چند نکات قابل ذکر ہیں۔ غیر مسلم رعیت کو شراب و خنزیر جیسے امور ہی میں نہیں بلکہ نقد رقم
کی زکوٰۃ سے بھی مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مسلم اور غیر مسلم نظم و نسق کو الگ الگ رکھا گیا تو غیر مسلم ملت کے انتظامی مصارف
کے لئے زکوٰۃ النقدین سے اسلامی مرکزی حکومت نے دست برداری دے دی اور وہ رقم غیر مسلم خود وصول کرتے
اور خود خرچ کر سکتے تھے۔

دیگر محاصل (ٹیکس) مثلاً زکوٰۃ التجارۃ، زکوٰۃ الارض، زکوٰۃ المعادن وغیرہ مرکزی حکومت ہی سے متعلق اور چونکہ غیر مسلم رعیت سودخوری کی آزادی سے زیادہ تیزی سے متمول ہو جاتی ہے اس لئے اس سے بعض محاصل زیادہ بڑی شرح سے لئے جاتے ہیں، مثلاً زکوٰۃ التجارہ مسلمان سے ڈھائی فیصد تو ذمی سے پانچ فیصد اور حربی سے ۱۰ فیصد لی جاتی رہی۔ زکوٰۃ الارضی میں مسلمان سے پیداوار کا عشر لیا جاتا تو غیر مسلم سے معاہدات کے مطابق معینہ خراج لیا جاتا اور یہ ہر علاقے میں مختلف رہا ہے ایسی بھی نظیریں ہیں۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک ذمی سے اس کی خراجی زمین خریدی تو اسلامی محکمہ مالیہ نے ان سے عشر کی جگہ سابقہ خراج ہی کی مقدار میں محصول کا مطالبہ کیا تھا۔

جزیہ عجیب سا مسئلہ ہے اپنے فرزند ابراہیمؓ کی وفات پر رسول اکرمؐ کا یہ قول مروی ہے کہ اگر وہ زندہ رہتا تو میں اس کی ماں کی قوم یعنی قبطیوں سے جزیہ معاف کر دیتا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کا یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ جب ایک قحط کے زمانے میں ایک یہودی نے نہر سویز کی پیشرو نہر کے مقام کی نشاندہی کی جو مٹی سے بھر کر غائب ہو چکی تھی۔ اور وہاں حضرت عمرؓ نے نہر امیر المومنین کھدوا کر مصر سے بحیرہ قلزم کو ملا دیا، اور مصر سے کشتیاں راست مدینے کے قریب بندرگاہ تک جا پہنچ سکیں، تو حضرت عمرؓ نے خوش ہو کر اس یہودی کو تا عمر جزیے سے مستثنیٰ فرما دیا۔

پاکستان کے آغاز پر جب ایک مجلس تعلیمات اسلامی قائم کر کے مجلس دستور ساز کی اسلامی کا انتظام کیا گیا تو اس مجلس نے مذکورہ نظائر کی موجودگی کے علاوہ اس امر پر بھی توجہ منعطف کرائی تھی کہ آج کل غیر مسلم مملکتوں میں لاکھوں کروڑوں مسلمان بستے ہیں اور ہندو، عیسائی اور یہودی مملکتوں میں رہنے والے مسلمانوں پر اسلامی مملکتوں کے جزیے کے ردعمل کا امکان ہوگا۔ یہ امر البتہ اسلامی مملکتوں کے غور کا محتاج ہے کہ ان کے ہاں تو عیسائی یہودی اور ہندو وغیرہ غیر مسلم داخلی خود اختیاری رکھتے ہیں۔ لیکن مغربی ممالک میں نہ صرف عارضی مقیم بلکہ وہاں کی مسلم رعایا کو بھی نکاح، طلاق، وراثت جیسے مسائل شخصی میں بھی اسلامی قانون پر عمل کی اجازت نہیں ہے جو اسلامی مملکتوں کے لئے آسان ہے کہ اپنی دوست غیر مسلم مملکتوں کو دوستانہ مشورہ دیں کہ ان کے ہاں بھی مسلمان ساکنین کو مقامی قانون سے مستثنیٰ کر کے اسلامی قانون پر عمل کرنے کی اجازت دی جائے۔

متفرقات | حکومت کے فرائض، مغرب میں تنفیذیہ، تقنینیہ اور عدلیہ تک محدود سمجھے جاتے ہیں۔ اسلامی تصور حکومت میں ثقافیہ کے اضافہ کرنے پر مجبور ہے۔ کہ اسلام کا مقصد حیات ہی حکومت الٰہی کا پرچار ہے۔ شعائر اسلامی کا نفاذ اسلامی مملکت میں نہ ہو تو کہاں ہو سکے گا؟ اس کی تفصیل میں گئے بغیر شاید عورت کے پردے کے متعلق چند الفاظ پر اس حقیر یادداشت کو ختم کیا جاتا ہے۔

عورت کے لباس کے متعلق آج کل مسلمان اہل قلم میں کچھ اختلاف نظر آتا ہے بعض لوگ کہہ رہے ہیں کہ چہرہ اور ہاتھ کو ڈھانکنا ضروری نہیں اگر یہ لوگ دو حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔ ایک حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک دن وہ رقیق لباس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں گئیں۔ تو فرمایا۔ اے اسماء جب عورت بالغ ہوجائے تو اسے سارا بدن ڈھانکنا چاہئے، بجز چہرے اور ہاتھوں کے۔

دوسری حدیث یہ ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلعم نے ایک وعظ فرمایا۔ تو سانولے رنگ کی ایک عورت نے اٹھ کر کچھ سوال کیا۔ اور حضورؐ نے اسے جواب دیا (یعنی عورت بے نقاب تھی۔ اور اسے سب لوگوں نے دیکھا۔

ان دونوں حدیثوں کا زمانہ معلوم نہیں۔ آیا نقاب کی آیتوں کے نزول سے پہلے کی ہیں یا بعد کی۔ دوسرے حضرت اسماء کے متعلق یہ نہ بھولنا چاہئے کہ وہ حضورؐ کی سالی یعنی محرم تھیں (کہ دو بہنوں سے بیک وقت نکاح نہیں کیا جاسکتا) اور سالی سے پردہ نہیں کیا جاتا۔ اور نقاب کے سلسلے میں اجنبیوں، قریبی رشتہ داروں اور محرموں میں فرق کیا جاتا ہے۔ سانولے رنگ والی عورت کے قصے میں یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کوئی آزاد عورت تھی یا لونڈی (اور لونڈی کو نقاب کرنے کی ضرورت نہیں) نہ یہ معلوم کہ وہ جوان عورت تھی یا معمر کہ معمر عورت کو بھی نقاب کی ضرورت نہیں۔

ان حالات میں مذکورہ حدیثوں سے عام عورت کے متعلق استدلال بحث طلب ہوجاتی ہے۔ عام اسلامی قانون قرآن کی دو آیتوں میں ہے۔ پہلے جلابیب کا حکم نازل ہوا اور عورتیں گھر سے باہر جائیں تو برقعہ پہن لیتیں اور سارا چہرہ بھی ڈھانپ لیتیں (اور راستہ دیکھنے کے لئے ایک آنکھ البتہ نقاب سے باہر نکالتیں) ان سے غالباً یہ مطلب لیا گیا کہ گھر میں شوہر کے اقارب سے پردہ کی ضرورت نہیں۔ اس پر "خمر هن" کی آیت نازل ہوئی کہ اجنبی مردوں سے جہاں بھی ہو چہرہ ڈھانکنے کی ضرورت ہے۔ کام کاج سے روکنے یا کمانے کی ممانعت کا سوال نہیں۔ نہ تعلیم کی بندش بلکہ صرف اجنبیوں کے سامنے نقاب ڈالنے کا حکم ہے۔

میں ممنون ہوں کہ مجھے اپنے ناچیز خیالات کے عرض کرنے کی عزت بخشی گئی۔ ممکن ہے میرے خیالات پر اعتراض کی گنجائش پائی جائے اور میں خوشی سے اپنے خیالات بدلنے پر آمادہ ہوں۔ اگر کوئی مدلل چیز بیان کی جاسکے۔ وما توفیقنا الا باللہ۔

کتابیات۔ (میری ناچیز تالیفیں)

Constitutional Problems in Early Islam (in Islam Tetkikleri Enstitusu Dergisi, Faculty of Lettres, University of Istanbul, V/1-4, 1973.)
The First Written-Constitution in the World, an important document of the time of the Prophet, Lahore, 3rd ed. 1975.
Muslim Conduct of State, Lahore 6th ed. 1973.
Political Significance of Zakat, (in Proceedings of All Pakistan Political Science Conference, session Lahore 1950)
Budgeting and Taxation in the Time of the Holy Prophet (in Journal of Pakistan Historical Society, III/1, 1955; and also in Islamic Review, Working/England, vol. 44/11, 1956.)
A Suggestion for an Interest-Free Islamic Monetary Fund (in Islamic Review, Working England, vol. 43/6, 1955.)
The Notion of Khilafat and its Modern Application (in Islamic Review, Working/England, vol. 45/3, 1957; and Journal of Pakistan Historical Society, Karachi, IV/4, 1956.)
Le Prophete de I'slam, sa vie et son oeuvre 4e ed. Paris 1979 Le Saint Coran, traduction et notes, 10e ed. Beyrouth 1979, sous presse.

عہد نبوی میں نظام حکمرانی (طبع ثالث کراچی ۱۳۹۹ھ زیر طبع) بنوک القرض بدون ربا (الکویت، مکتبہ المنار)

خوشخبری

دعوات حق کی دوسری جلد

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کے خطبات و مواعظ اور ارشادات کا عظیم الشان مجموعہ علم و حکمت کا گنجینہ جس کی پہلی جلد کو ہر طبقے میں سراہا گیا۔ اور اہل علم و خطباء اور تعلیم یافتہ طبقہ نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور جس کا کوئی ایک نسخہ بھی اس وقت دستیاب نہیں ـــ الحمد للہ اک انتظار شدید کے بعد اس کی دوسری جلد کتابت و طباعت کے مراحل سے گزر کر عنقریب شائقین تک پہنچنے والی ہے۔ تقریباً ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل اس دوسری جلد میں بھی دین و شریعت۔ اخلاق و معاشرت۔ علم و عمل۔ نبوت و رسالت شریعت و طریقت کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس پر حضرت مدظلہ نے عام فہم اور درد و سوز میں ڈوبے ہوئے انداز میں گفتگو نہ کی ہو ـــ آج ہی اپنا آرڈر بک کرائیے ورنہ جلد اول کی طرح اس کی نایابی پر افسوس کرنا پڑے گا۔ صفحات ۵۲۰ قیمت چالیس روپے

مؤتمر المصنفین ۔ دار العلوم حقانیہ ۔ اکوڑہ خٹک پشاور

پاکستان آرمی میں

جونیئر کمیشنڈ آفیسر خطیبوں کی ضرورت

پاکستان آرمی میں جونیئر کمیشنڈ آفیسر خطیبوں کی چند اسامیاں خالی ہیں جنہیں پُر کرنے کیلئے مطلوبہ قابلیت کے مالک حضرات کی ضرورت ہے شرائط ملازمت حسب ذیل ہیں:-

تعلیمی قابلیت: (الف) حکومت پاکستان کے منظور شدہ کسی دینی مدرسہ سے درس نظامی میں فارغ یا فاضل کی سند۔
(ب) پاکستان کے کسی بورڈ سے میٹرک یا سکنڈری سکول سرٹیفکیٹ

عمر: ۱۵؍ نومبر ۱۹۷۹ء کو ۱۸؍ سے ۳۵ سال

عہدہ یا تنخواہ: ملازمت کے لئے منتخب امیدواروں کو نائب خطیب (نائب صوبیدار) کا عہدہ دیا جائے گا۔ فوجی وردی کے بجائے وہ منظور شدہ شہری لباس پہن کریں گے جو فوج کی طرف سے مفت مہیا کیا جائے گا۔ فوج کے جونیئر کمیشنڈ افسروں کی طرح انہیں اوپر والے رینک میں ترقی کی گنجائش ہوگی۔ ان کے عہدہ کا نام اور تنخواہ کا موجودہ سکیل حسب ذیل ہوگا۔

(الف)	نائب خطیب	(نائب صوبیدار)	۵۰۰ - ۲۰ - ۷۰۰ روپے
(ب)	خطیب	(صوبیدار)	۵۷۵ - ۲۵ - ۷۷۵ روپے
(ج)	خطیب اعلیٰ	(صوبیدار میجر)	۷۲۵ - ۳۵ - ۹۹۰ روپے

الاؤنس و دیگر مراعات: وہ تمام الاؤنس و دیگر مراعات جو فوج کے منتقل جے سی او صاحبان کو حاصل ہیں انہیں بھی حاصل ہوں گے۔ مثلاً ذات کیلئے مفت راشن، مفت رہائش (جہاں موجود ہو) ورنہ کوارٹر الاؤنس۔ اپنے اور بیوی بچوں کیلئے مفت طبی سہولت سفر کی مراعات، پنشن۔ گریجویٹی اور بیمہ کی مراعات وغیرہ وغیرہ

ملازمت کی جگہ: پاکستان میں یا پاکستان سے باہر کسی بھی جگہ۔

تربیت: منتخب امیدواروں کو فوجی زندگی سے روشناس کرانے کی خاطر خاص تربیت بھی دی جائیگی جو دو حصوں پر مشتمل ہوگی۔

طریق انتخاب: (الف) امیدواروں کی سہولت کے مطابق مختلف مقامات پر ابتدائی امتحان اور انٹرویو جسکی اطلاع امیدواروں کو دیدی جائیگی۔
(ب) طبی معائنہ (ج) آخری انتخاب جنرل ہیڈ کوارٹرز راولپنڈی میں ہوگا جس کے نتیجہ کی اطلاع امیدواروں کو دیدی جائے گی۔

درخواستوں کی آخری تاریخ: درخواستیں مجوزہ فارم پر شعبہ دینی تعلیمات آرمی ایجوکیشن ڈائرکٹریٹ آئی جی ٹی اینڈ ای برانچ جنرل ہیڈ کوارٹرز راولپنڈی کو ۱۵ نومبر ۱۹۷۹ء تک پہنچ جانی چاہئیں۔ درخواستوں کے فارم مذکورہ بالا شعبہ دینی تعلیمات سے مبلغ ۲/- روپے ٹکٹ لگے ہوئے لفافے بھیجکر حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ فارم طلب کرتے وقت اپنی قابلیت اور سند الفراغ کے بارے میں پوری معلومات لکھیں تاکہ فارم ضائع نہ ہوں۔

نوٹ۔ جو دو دفعہ انٹرویو میں ناکام رہے ہوں وہ درخواستیں نہ بھیجیں۔

بے لوث خدمت۔ بے خوف قیادت

وضو قائم رکھنے کے لئے جوتے پہننا بہت
ضروری ہے ہر مسلمان کی کوشش
ہونی چاہیئے کہ اس کا وضو قائم رہے۔

سروس انڈسٹریز

پائیدار۔ دلکش۔ موزوں اور
واجبی نرخ پر جوتے بناتی
ہے

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی
ندوۃ المصنفین دہلی

اِسلامی حکومت کا ایک بُنیادی اُصول

شُوریٰ

یہ مقالہ حضرت مفتی صاحب نے نفاذِ شریعت کے بین الاقوامی سیمینار منعقدہ ۹-۱۰-۱۱ اکتوبر کو اسلام آباد میں پڑھا

اسلامی حکومت کے اصول و مبادی بہت سے ہیں اس مختصر وقت میں ان سب کے بارے میں کچھ کہنا دشوار ہے دوسرے اصولوں کے متعلق دیگر فضلاء گرامی اپنے خیالات پیش کریں گے میں اس موقعہ پر اسلامی حکومت کے اصول شوریٰ کے بارے میں عرض کرنا چاہتا ہوں اور وہ بھی اختصار کے ساتھ۔ کیونکہ عام مشاہدہ یہ ہے کہ اس طرح کے اجتماعات میں کسی طویل مقالہ کا پڑھنا ممکن نہیں ہوتا۔

شوریٰ درحقیقت رائے عامہ کے اظہار کا نام ہے۔ مفردات القرآن میں امام راغب اصفہانی نے تصریح کی ہے کہ شوریٰ کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کی رائے معلوم کی جائے اور یہی اصول ہے جو موجودہ زمانے کے پارلیمانی نظام کی بنیاد ہے اور جس کی داغ بیل اسلام نے اس وقت ڈالی تھی جب کہ یورپ جمہوریت اور پارلیمنٹ کے مفہوم سے بھی ناآشنا تھا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا وشاورھم فی الامر (یعنی حکومت کے معاملات میں نظام شوریٰ اختیار کیجئے) اور مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کے بارے میں یہ اصول طے کر دیا گیا۔ کہ امرھم شوریٰ بینھم یعنی ان کے تمام کام شوریٰ کے ذریعہ انجام پاتے ہیں۔

اسلامی قانون کے ماہرین اور علماء اسلام کے نزدیک یہ بات طے ہو چکی ہے کہ شوریٰ اسلامی حکومت کی اساس اور اس کے فیصلوں کی بنیاد ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نقل کرتے ہیں کہ جب شوریٰ کا حکم آیا تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ اور اس کا رسولؐ اگرچہ شوریٰ سے مستغنی ہے مگر یہ حکم امت کے لئے رحمت ہے اور جو اس حکم پر عمل کرے گا وہ اعلیٰ درجہ کی راہ نمائی سے محروم نہ ہوگا۔ اور جو شوریٰ کو ترک کرے گا وہ غلط روی سے بچ نہ سکے گا۔　　(روح المعانی)

ابن جریر کی روایت ہے۔ قتادہ کہتے ہیں۔ آں حضرت کو وحی نازل ہونے کے باوجود اپنے اصحاب سے مشورے کا حکم ملتا تھا اور یہ اس لئے تھا کہ قوم کو پورا اطمینان حاصل ہوجائے۔ اور یہ کہ شوریٰ امت کے لئے قانون بن جائے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو اپنے رفقاء سے مشورہ کرنے میں اتنا زیادہ سرگرم ہو جس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ (ترمذی)

اسی مفہوم کی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تحریری طور پر ہدایت کی کہ رسول اللہ صلعم قانونِ شوریٰ پر عامل تھے تم بھی لازماً اس پر عمل کرنا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ حضرت عمر کے تعامل سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ عورتوں سے بھی مختلف معاملات میں رائے لیتے تھے۔ تفسیر مظہری جلد دوم ص ۱۶۱

مولانا ثناء اللہ پانی پتی نے ضحاک کا ایک بیان نقل کیا ہے کہ فاروقِ اعظم نے عورتوں کو بھی حق رائے دہی دیا تھا۔

ان امور کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ امیر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے لئے ایک مجلس شوریٰ بنائے کیونکہ ایک شخص ہر معاملہ میں اتنی واقفیت اور مہارت نہیں رکھتا جتنا معاشرہ کے دوسرے افراد رکھتے ہیں۔ مکّی دور میں اجتماعی مشوروں کے لئے دارِ ارقم کو مجلسِ شوریٰ کا ایوان بنایا گیا تھا۔ مدنی دور میں حضور کے زمانہ تک کھلے میدانوں کو بھی اس مقصد کے لئے استعمال کیا جاتا تھا اور مسجدِ نبوی میں اس طرح کے اجتماعات ہوتے تھے۔ خلافتِ راشدہ میں سب سے پہلے سقیفہ بنی ساعدہ سے ایوانِ شوریٰ کا کام لیا گیا۔

جب اسلامی حکومت کے ایک اصول اور اساس کی حیثیت سے شوریٰ کا مسئلہ زیرِ بحث آتا ہے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امیرِ حکومت یا خلیفۂ وقت یا امام المسلمین شوریٰ کے فیصلے کا پابند ہے یا نہیں ہم اپنے اس مقالہ کو اس بحث پر مرکوز کرنا چاہتے ہیں اور یہ اس لئے کہ اسلامی نظامِ حکومت میں امیر کی حیثیت ان کے نزدیک آمرِ مطلق یعنی ڈکٹیٹر کی ہو جاتی ہے۔ اور شوریٰ کی حیثیت اور اہمیت صفر کے درجہ میں پہنچ جاتی ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے اسلامی حکومت، شورویٰ حکومت اور امام اس کا بااختیار رہنما اور صاحبِ تنفید قوت ہے۔ اس لئے قدرتاً امام شوریٰ کے اختیارات کا نمائندہ ہے۔ اور انتظامی معاملات میں مجلس شوریٰ کے فیصلوں کا ترجمان۔ قرآن کریم میں ہے۔ امرھم شوریٰ بینھم یعنی مسلمانوں کے معاملات اور انتظامی امور آپس کے مشورہ سے انجام پاتے ہیں یہ حکم عام ہے اور حکومت کے صدر نشین کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مجلسِ شوریٰ کے فیصلہ دینے کے بعد اپنی ذاتی رائے پر عمل کرے جو مجلس شوریٰ کے فیصلہ کے خلاف ہو۔ حکومت کے امیر اور سربراہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اربابِ حل وعقد سے مشورہ لے اور اس مشورہ کی پابندی کرے۔

بہت سے حضرات کو قرآن مجید کی ایک دوسری آیت سے غلط فہمی ہوئی ہے اور انہوں نے اس سے غلط نتیجہ نکالا ہے وہ آیت یہ ہے وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ یعنی معاملات میں اپنے اصحاب سے مشورہ

کر لیا کیجئے۔ اور جب آپ معاملہ متعلقہ میں عزم کر لیں تو اعتماد خدا ہی پر رکھئے۔

ان الفاظ سے بہت سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ مشورہ کرنا تو امام کے لئے ضروری ہے مگر مشورے کی پابندی ضروری نہیں ہے۔ آیئے غور کریں کہ عزم سے پیدا ہونے والی رائے شوریٰ کے فیصلے کی پابند ہے یا نہیں۔ غور فرمایئے کہ قرآن میں شوریٰ کو پہلے ذکر کیا گیا ہے اور عزم کو بعد میں۔ اس لئے منشار اور مقصد یہ ہے کہ کسی معاملہ کو طے کرنے کے لئے مجلس شوریٰ طلب کیا جائے۔ اور یہ مجلس جو فیصلہ کر دے وہ عزم کی بنیاد بن جائے۔ ظاہر ہے کہ اگر امیر یا امام شوریٰ کے فیصلہ کو نظر انداز کر دیا کرے گا اور ذاتی و شخصی رائے پر عمل کرتا رہے گا تو یہ بات مجلس شوریٰ کے لئے ازالہ حیثیت عرفی کے مرادف ہو گی۔ اور ایسے امیر اور ایک ڈکٹیٹر کے درمیان کیا فرق رہ جائے گا۔ دوسری بات یہ ذہن میں رکھنے کی ہے۔ اس آیت میں خطاب بطور خاص رسول کریم صلعم سے ہے اور پیغمبر کے احکام شوریٰ کے باوجود بھی واجب التعمیل ہوتے ہیں۔ کیونکہ پیغمبر کی ایک حیثیت تو یہ ہوتی ہے کہ اس زمین پر خدا کی آواز ہوتی ہے۔ اس آیت کی رو سے کسی صدر حکومت کو وہ اختیارات حاصل نہیں ہوتے جو آپ کی ذات کو مخاطب کر کے آپ کے ساتھ مخصوص کر دیے گئے ہوں۔ ہمارا مقصد اس بحث سے یہ ہے کہ اس بات سے اگر کسی کو انکار ہے کہ عزم کا تعلق مجلس شوریٰ کے فیصلہ سے بھی ہے تو بھی یہ بات نظر انداز کرنے کی نہیں ہے۔ کہ یہ حکم آپ کی پیغمبرانہ حیثیت کی وجہ سے آپ کے ساتھ مخصوص ہے۔ امرہم شوریٰ بینہم یعنی مسلمانوں کے کام شوریٰ سے طے پاتے ہیں۔ قرآن میں یہ الفاظ ایک مستقل دفعہ کی صورت میں موجود ہیں۔ اور اس کے خلاف کسی حکومت کا کوئی امیر حرکت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ابن کثیر نے آیت عزم کی تشریح کرتے ہوئے حضرت علیؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کیا گیا کہ عزم سے کیا مراد ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا:

مشاورة اهل الرأى ثم اتباعهم یعنی اہل الرائے کا باہمی مشورہ اور اس کے بعد شوریٰ کے فیصلہ کی پیروی تو عزم حقیقت میں وہ ارادہ ہے جو امام کے دل میں شوریٰ کے فیصلہ کا ربند ہونے کے لئے پیدا ہوتا ہے۔ اسی آیت عزم کے سلسلہ میں احکام القرآن میں امام ابوبکر الجصاص نے واضح طور پر لکھا ہے وفى ذكر العزيمة عقيب المشارة دلالة على انها صدرت عن المشوره یعنی قرآن میں عزم کا ذکر شوریٰ کے بعد آیا ہے۔ اور یہ اس کی دلیل ہے کہ فیصلہ اور عزم وہی معتبر ہے۔ جو شوریٰ کے فیصلہ کا نتیجہ ہو اور شوریٰ سے صادر ہوا ہو۔ حافظ ابن کثیر نے بھی یہی لکھا ہے۔ ان تمام تصریحات کے بعد امام کے شخصی فیصلہ کو شوریٰ کے فیصلہ پر ترجیح دینا درست نہیں ہو گا۔

اگر کسی کا ذہن ان تصریحات سے مطمئن نہیں ہوتا ہے اور اس کا یہ اصرار قائم رہتا ہے کہ امام کے شوریٰ کے فیصلہ کے پابند ہونے پر کوئی صراحۃ النص موجود نہیں ہے تو وہ اس بات کا اقرار کم سے کم کریں گے۔ کہ اس دائرہ خاص میں کوئی واضح اور متعین حکم موجود نہیں ہے۔ ان اصحاب کے لئے اکیلے سوچنے کی بات یہ ہے کہ نبوت اور

خلافت راشدہ کے عہد کو چودہ سو سال گذر چکے ہیں۔ خلفائے راشدین کا درجہ تو بہت اونچا ہے۔ اب جو لوگ مسلمانوں میں ہیں وہ تقوٰی، خوفِ خدا اور احساسِ ذمہ داری میں ان کے خاکِ پا کے برابر بھی نہیں۔ کیا ایسے معاشرہ میں کسی فردِ واحد کو بے لگام اور مطلق العنان بنا دینا درست ہو گا۔ کیا تنہا ایک فرد کو اربابِ حل وعقد کے فیصلوں سے آزاد اور مسلمانوں کے معاملات کا تنہا ذمہ دار بنا دینا مناسب ہو گا۔

بعض لوگوں کو اس معاملہ میں جو غلط فہمی ہوتی ہے اور انہوں نے سربراہِ حکومت کو مختارِ مطلق مان لیا ہے اس کی وجہ سیرت و تاریخ کے تین واقعات ہیں جنہیں صحیح ڈھنگ سے نہیں سمجھا گیا۔ ایک حدیبیہ کا واقعہ دوسرے حضرت ابوبکر کا جیش اسامہ کو رخصت کرنا تیسرے مرتدین زکوٰۃ کے بارے میں آپ کا عمل۔

اس سے پہلے کہ ان تینوں واقعات کی صحیح تصویر پیش کی جائے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علماء اسلام کی ایک تصریح کا پھر سے ذکر کر دیا جائے کہ پیغمبرِ اسلام صلعم اس دنیا میں دو قسم کی ذمہ داریوں پر فائز تھے۔ نمبر ایک منصب رسالت، دوسرے منصب امامت۔ یہی ذمہ داریاں ہیں جن سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز میں فرق پیدا ہو جاتا تھا۔ آپؐ منصب رسالت کا کام خدا کے حکم کے مطابق انجام دیتے تھے۔ اور منصب امامت کا کام شورٰی کے ذریعہ سے۔ منصبِ رسالت کے کام کو ادا کرنے کے لئے آپ مشورہ تو کر لیتے تھے لیکن یہ مشورہ لینا صرف تعلیم امت کے لئے تھا۔ مشورہ طلب کرنا اور اس پر عمل کرنا ضروری نہ تھا۔ یہاں صرف خدا کا حکم واجب التعمیل ہوتا تھا۔ البتہ اس متعین شکل کے علاوہ آپ نے کبھی اپنے عزم کو شورٰی کے خلاف استعمال نہیں کیا۔ شورٰی کی پابندی کرنے کی مثالیں سیرت میں بہت سی ہیں مثال کے طور پر آپ کا اپنی خواہش کے علی الرغم مدینہ سے باہر نکل کر ۳ھ میں جنگ کرنا جو غزوہ احد کے نام سے مشہور ہے اور غزوہ بدر کے موقعہ پر بھی آپ نے اپنی خواہش کے خلاف دوسروں کے مشورہ پر ایک دوسری جگہ محاذ قائم کیا۔

اب صلح حدیبیہ کے واقعہ کو لیجئے یہ ان واقعات میں سے ہے جن کو امام کے اختیار مطلق کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے۔ درحقیقت یہ صلح عام رائے کے خلاف صرف پیغمبرانہ ذمہ داری کے تحت طے پائی رائے عامہ بڑی چیز ہے لیکن اللہ تعالٰی کی مرضی ہر چیز سے بلند و بالا ہے جب عام لوگوں نے یعنی صحابہ کرامؓ نے اس صلح پر اپنی ناراضی کا اظہار کیا۔ تو حضور صلعم نے فرمایا کہ میں خدا کا رسول ہوں میں اس کے حکم کے خلاف کچھ نہ کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ خدا میرے ثمرے کو ضائع نہیں کرے گا۔ ان الفاظ سے یہ بات ظاہر ہے کہ رائے عامہ کے احتجاج کو آپ نے کس لئے نظر انداز کر دیا۔

دوسرا واقعہ جیش اسامہ کا ہے جو ہجری ۱۱ میں پیش آیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ صدیق اکبرؓ نے آں حضرت صلعم کی وفات کے بعد حضرت اسامہ کی فوج کو شام کے محاذ پر روانگی کا حکم دیا۔ حالانکہ اسلامی حکومت کا پایۂ تخت مدینہ قبائل کی بغاوت کی وجہ سے سخت خطرات سے دوچار تھا۔ اور صحابہ کا مشورہ یہ تھا کہ اس وقت اس فوج کو باہر نہ روانہ کیا جائے۔ اس واقعہ سے امیروقت آمر مطلق قرار دینا تاریخ کے واقعہ کی غلط تعبیر ہوگی۔ اس معاملہ میں صدیق اکبر نے جو کچھ بھی کیا۔ اس میں مطلق العنانی کو ذرا بھی دخل نہیں تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ یہ وہ فوج ہے جس کو محاذ پر جانے کے لئے حکم خود حضور اکرم صلعم نے دیا ہے۔ اور اس لشکر کو بھیجنا حضور صلعم کی آخری وصیت اور آخری حکم پر عمل کرنا ہے اور صحابہ کے مشورہ کے مقابلہ میں پیغمبر کا حکم زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

تیسرا واقعہ مانعین زکوٰۃ کے خلاف حضرت ابوبکرؓ کا عمل جہاد ہے۔ آنحضرت کی وفات کے بعد مدینہ کے اطراف میں زکوٰۃ کی ادائیگی کے خلاف بغاوت پھیل گئی۔ لوگوں کا کہنا تھا کہ نماز تو ہم پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ نہیں ادا کریں گے۔ لوگوں نے یہ مشورہ دیا کہ حالات کا تقاضہ یہ ہے کہ تحمل سے کام لیا جائے۔ اور مانعین زکوٰۃ سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ صدیق اکبرؓ نے اس مشورہ کو رد کر دیا۔ اور انہوں نے شوریٰ کے ارکان کو یاد دلایا کہ زکوٰۃ خدا کے حکم سے واجب ہے اور خدا کے احکام میں شوریٰ کو کمی بیشی کا اختیار نہیں ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تقریر کے بعد حضرت عمرؓ کو بھی شرح صدر ہو گیا۔ کہ حضرت ابوبکرؓ کی رائے صحیح ہے۔ اور اللہ نے ان کا دل جہاد کے لئے کھول دیا۔ اس بارے میں علامہ نووی نے شرح مسلم میں بحث کی ہے اور یہ لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی تقریر کے بعد صحابہ ان کی دلیل کے قائل ہو گئے تھے۔

یہ بڑی نادانی ہوگی کہ صدیق اکبر لوگوں کے سامنے شریعت کے اصول پیش کر رہے ہوں اور اس واقعہ کو سامنے رکھ کر کچھ لوگ یہ بات دماغوں میں بٹھانے کی کوشش کریں کہ خلیفہ اول شوریٰ کے فیصلوں کو رد کر کے اپنی شخصی عزم پر عمل کرنے کے عادی تھے اور مطلق العنان آمر کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔

اسلام نے جمہوریت کا جو مزاج بنایا ہے وہ آج بھی دنیا کی قوموں کے لئے نمونہ اور نشانِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے آج مدتوں کے بعد دنیا نے اسلام میں اسلامی نظام کو اپنانے اور غیر اسلامی نظاموں کو رد کر دینے کی خوش آئند اور خوشگوار لہر چل پڑی ہے اس لئے اسلامی نظام کے مطابق دستور سازی کے مرحلے بھی پیش آئیں گے۔ اور دستور سازی میں یہ مسئلہ یقیناً اہمیت رکھتا ہے کہ سربراہ حکومت اپنی شوریٰ کا پابند ہے یا شوریٰ کے فیصلہ سے آزاد ہے یہ باتیں جو گوش گذار کی گئی ہیں امید ہے بہت سے دماغوں پر دستک دیں گی۔ اور اہل الرائے اس کے بارے میں غور و فکر سے کام لیں گے ؛

روزگار کے ساتھ ساتھ مندرجہ ذیل کسی ایک شعبے میں فنی تربیت حاصل کیجئے :

(۱) ایئر فریم مکینک (۲) انجن مکینک (۳) الیکٹریکل مکینک
(۴) انسٹرومنٹ مکینک (۵) آرمامینٹ مکینک (۶) ریڈیو مکینک (ایئر) (۷) راڈار مکینک (ایئر)

زیر تربیت اپرنٹس کو معقول تنخواہ دی جاتی ہے۔ اس کے
علاوہ مفت طعام، مفت رہائش، مفت طبی سہولت، مفت آمد و رفت
اور مناسب سالانہ رخصت کی مراعات بھی دی جاتی ہیں ۱۵ سے ۱۸ سال کے درمیان کی
عمر کے نوجوان (عمر میں ۱۹ سال تک کی رعایت دی جا سکتی ہے) جنہوں نے میٹرک (الیکٹو سائنس،
فزکس، کیمسٹری، میتھمیٹکس) فرسٹ یا سیکنڈ ڈویژن میں پاس کیا ہو، مندرجہ ذیل کسی بھی پی۔ اے۔ ایف
انفرمیشن اینڈ سلیکشن سنٹر میں چھٹی کے علاوہ کسی بھی روز صبح آٹھ بجے تشریف لا سکتے ہیں۔

پشاور: ۹ دی مال ڈیرہ اسمعیل خان: ۷ اے عزیز بھٹی روڈ راولپنڈی: ۳ دی مال
لاھور: ۳۸، ایبٹ روڈ فیصل آباد: یونیورسٹی کیمپس ملتان: ۲ ڈی ٹیپو سلطان روڈ
بہاولپور: ۷۳ سی عزیزی روڈ ماڈل ٹاؤن اے سکھر: بیراج کالونی حیدرآباد: ۵ قائد اعظم روڈ
کراچی: شاہین ڈین سٹریچن روڈ کوئٹہ: شاہراہ محمد علی جناح

پاکستان ایئر فورس
قوم کا سرمایۂ افتخار

RIO (K) PID/PAF/79-80-6

HCLLK

از جناب وحید الدین خاں صاحب (اعظم گڑھ)

علم ومعرفت میں فرق

"پچاس سونے والے بہہ گئے" ـــــ یہ خبر ایک مرتبہ اخبار میں چھپی۔ خبر میں ایک مقام پر بارش اور طوفان کی تفصیلات بتائی گئی تھیں اور اس ضمن میں کہا گیا تھا کہ پانی ریلوے لائن کے اوپر تک پہنچ گیا اور پچاس سونے والے بہہ گئے۔

یہ خبر کچھ عجیب سی تھی۔ ذہن نے جاننا چاہا کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ انگریزی اخبار دیکھنے پر معلوم ہوا کہ اصل میں خبر یہ تھی "پچاس سلیپر بہہ گئے"۔ یہی الفاظ اردو اخبار میں ترجمے کی غلطی سے "سونے والے" بن گیا۔ سلیپر (SLEEPER) کے لفظی معنے بے شک سونے والے کے بھی ہیں۔ مگر اس خبر میں ظاہر ہے کہ یہ لفظ ریلوے لائن میں استعمال ہونے والے اس لکڑی کے کندے کے لئے تھا جس کے اوپر لوہے کی پٹڑیاں بچھائی جاتی ہیں نہ کہ سونے والے آدمی کے لئے۔

اس قسم کی غلطیاں کتنی ہی بار آپ کے سامنے آئی ہوں گی۔ ان غلطیوں کا سبب ہمیشہ علم کی کمی ہوتا ہے اور ان سے بچنے کے لئے اتنا کافی ہے کہ آدمی علم حاصل کرے۔ مگر غلطیوں کی ایک اور قسم اس سے زیادہ سنگین قسم ہے جس کا تعلق علم سے نہیں معرفت سے ہے۔ اس سے محفوظ رہنے کے لئے صرف صاحب علم ہونا کافی نہیں بلکہ حقیقت آشنا ہونا بھی ضروری ہے۔ جو شخص معرفت کی دولت سے محروم ہو وہ محض علم کی بدولت ان غلطیوں سے مامون نہیں رہ سکتا۔

معرفت کیا چیز ہے اور علم ومعرفت میں کیا فرق ہے؟ یہ ایک نہایت نازک سوال ہے اجمالی طور پر ہم میں سے ہر شخص اس فرق کو سمجھتا ہے۔ مگر متعین تعریف کرنی ہو تو کسی ایک تعریف پر سب کا اتفاق حاصل کرنا مشکل ہو جائے گا۔ تاہم سادہ لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ علم کا مطلب ہے جاننا اور معرفت کا مطلب ہے پہچاننا۔ مثال کے طور پر "واشنگٹن ایک شہر ہے" یہ ہم سب لوگ جانتے ہیں۔ لیکن اگر کسی وقت یہ واقعہ پیش آئے کہ ایک شخص رات کے وقت بے خبر سو رہا ہو اور اسی حالت میں کسی تیز رفتار سواری کے ذریعہ آہستگی کے ساتھ اس کو دور لے جا کر ایک مقام پر اس طرح اتار دیا جائے کہ جب آنکھ کھلے تو وہ اپنے آپ کو ایک اجنبی شہر میں پائے تو اس کے لئے یہ سمجھنا یقیناً

ناممکن ہوگا کہ یہ واشنگٹن ہے۔ جہاں وہ اس وقت اپنے آپ کو پا رہا ہے۔ اس کے برعکس یہی واقعہ اگر جانے پہچانے شہر میں پیش آئے تو ہم میں سے ہر شخص پہلی نظر میں سمجھ جائے گا کہ وہ کہاں ہے ـــ اس مثال میں آپ جاننے اور پہچاننے یا علم اور معرفت کا فرق آپ بآسانی دیکھ سکتے ہیں۔

معرفت، علم کی روشنی ہے۔ آنکھ اور روشنی میں جو نسبت ہے وہی نسبت علم اور معرفت میں ہے۔ اگر سرے سے روشنی نہ ہو تو کچھ بھی نظر نہیں آئے گا۔ اور اگر روشنی موجود ہو مگر کم ہو۔ تو اسی کے بقدر کم دکھائی دے گا۔ جتنا روشنی میں کمی ہے۔ اس اعتبار سے معرفت حاصل ہونے اور معرفت حاصل نہ ہونے کے ہزار درجے بن جاتے ہیں۔ میں چند مثالوں سے اس کو واضح کروں گا۔

۱۔ کیڑے مکوڑے (INSECTS) ہماری ایک جانی بوجھی حقیقت ہیں یہ نہایت کثرت سے انڈے بچے دیتے ہیں اور ان کے اندر بڑھنے کی غیر معمولی صلاحیت ہوتی ہے کہا جاتا ہے کہ ایک بھڑ کو اگر مسلسل زندہ رہنے اور نشوونما پانے کا موقع ملے تو وہ شیر کی مانند جسامت حاصل کر سکتی ہے۔ غور کیجئے کہ اس قسم کے کیڑوں کی ہزاروں صورتیں اگر شیر اور بھیڑیئے کی طرح بڑی ہو کر چلنا پھرنا شروع کر دیں۔ تو زمین پر انسان کے لئے زندگی گذارنا کس قدر مشکل ہو جاتے۔ مگر ایسا نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کیڑے مکوڑے اس قسم کے پھیپھڑے نہیں رکھتے جیسے کہ آدمی رکھتا ہے۔ وہ خاص طرح کی ہوائی نالیوں (AIR TUBES) کے ذریعے سانس لیتے ہیں۔ جب کیڑے بڑے ہوتے ہیں تو ان کی یہ سانس کی نالیاں ان کے بڑھتے ہوئے جسم کی نسبت سے نہیں بڑھتیں یہی وجہ ہے کہ کوئی کیڑا زیادہ بڑا نہیں ہونے پاتا۔ بڑھنے پر یہ حد بندی ان کو شیر کو اور بھیڑیئے کی جسامت حاصل کرنے سے روکے رہتی ہے۔ اگر یہ قدرتی روک موجود نہ ہوتی تو زمین پر انسان کے لئے قیام کرنا ناممکن ہو جاتا۔

اگر دل کے اندر ایمان کی معرفت موجود ہو تو یہ واقعہ خدا کے وجود پر آدمی کے یقین کو بڑھاتا ہے وہ اس کے لئے خدا کی گواہی بن جاتا ہے۔ چنانچہ ایک عیسائی عالم کریسی مارلیسن (MORRISON CRESSY) اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ عالم فطرت کا یہ نظم و نسق (ECONOMY) ہم کو یہ ماننے پر مجبور کرتا ہے کہ اس کائنات کے پیچھے کوئی اعلیٰ ذہن کام کر رہا ہے کیونکہ:

ONLY INFINITE WISDOM COULD HAVE FORESEEN AND PREPARED WITH SUCH ASTUTE HUSBANDRY

یعنی صرف لامحدود عقل اتنے زیرک انتظام کو پیشگی تصور میں لا سکتی تھی اور اس کا اہتمام کر سکتی تھی۔

(ریڈرز ڈائجسٹ، نومبر ۱۹۶۰ء)

مگر معرفت سے محروم ذہن کے لئے یہی واقعہ بالکل برعکس مفہوم کا حامل بن گیا۔ جولین ہکسلے (J. HUXLEY)

اس زمانے کا بہت پڑھا لکھا آدمی ہے اس کی ایک کتاب ہے MAN IN THE MODERN WORLD یعنی انسان دورِ جدید میں۔ اس کتاب کے ایک حصے میں اس نے ارتقاء کے ذیل میں مذکورہ بالا واقعے کا ذکر کیا ہے۔ نظریۂ ارتقاء کے مطابق انسان اور کیڑے مکوڑے کے فرق کو سمجھنے کے لئے کسی ارادۂ الٰہی کو فرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیڑے اور انسان دونوں ہی بعض سادہ اور ابتدائی جرثومۂ حیات کی ترقی یافتہ شکلیں ہیں۔ انسان کو مخصوص اسباب سے زیادہ ترقی کرنے کا موقع ملا ہے اس لئے وہ ذہن و دماغ رکھنے والی ہستی بن گیا۔ اور کیڑے مکوڑوں کو بعض مانع اسباب نے یہ مواقع فراہم نہیں کئے۔ اس لئے وہ آگے نہ بڑھ سکے۔ وہ لکھتا ہے:

"کیا چیز تھی جس نے کیڑوں کو ترقی کرنے سے روک دیا۔ اس کا جواب کیڑوں کے سانس لینے کے طریقے (BRERTHING MECHANIBM) میں چھپا ہوا ہے۔ زمین کیڑوں نے سانس لینے کے لئے ہوائی ٹیوب کا طریقہ اپنایا ہے جس کو حیاتیاتی اصطلاح میں (TRACHENE) کہتے ہیں اندر جا کر اس نالی کی نہایت چھوٹی چھوٹی شاخیں ہو جاتی ہیں۔ جن کو صرف خوردبین کے ذریعے دیکھا جا سکتا ہے یہی نالیاں گیسوں کو جسم کے اندر نسیج (TISSES) تک لے جاتی ہیں اور واپس لاتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں انسان اور دیگر جانداروں میں دہرا طریقہ پایا جاتا ہے یعنی گیسیں پھیپھڑے سے ہو کر خون کی نالیوں تک پہنچتی ہیں۔ گیسوں کے نفوذ و انتشار کا قانون کچھ ایسا ہے کہ نالیوں کے ذریعے سانس لینا چھوٹے کیڑوں کے لئے تو بہت آسان رہتا ہے۔ مگر جسامت کے بڑھنے کے ساتھ وہ مشکل ہونے لگتا ہے یہاں تک کہ چوہیا کے بقدر جسامت حاصل کرنے سے پہلے ہی یہ نالی ناقابلِ استعمال ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ کوئی کیڑا کبھی دوسرے ریڑھ دار جانوروں کے لحاظ سے اوسط درجے کی جسامت بھی حاصل نہ کر سکا۔"

اس کے بعد وہ لکھتا ہے کہ یہی سبب اس بات کا ہے کہ کوئی کیڑا کبھی ذہین نہیں بنا۔ ایک خاص جسامت میں محدود ہونے کی وجہ سے کیڑوں کو بہت کم اعصابی ریشے درکار ہوتے ہیں۔ جب کہ انسانی ذہانت حاصل کرنے کے لئے بہت کثیر مقدار میں اعصابی ریشوں کی موجودگی ضروری ہے۔ اس طرح کے پھیلے ہوئے ریشوں کا نظام ایک خاص درجے کی جسامت ہی میں پایا جاتا ہے۔ اب چونکہ کیڑے اس درجے کی جسامت تک نہیں پہنچتے اس لئے وہ اعلیٰ ذہانت بھی حاصل نہیں کر سکتے۔

دیکھئے۔ ایک ہی واقعے کا علم ایک شخص کے لئے کائنات میں ایک ذہین تخلیقی ارادے کی موجودگی کا ثبوت بن گیا اور اسی واقعے سے دوسرے شخص نے یہ پہلو نکال لیا کہ موجودات کی توجیہہ کے لئے کسی تخلیقی ارادے کو ماننے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اس کے بغیر ہی ہم تمام موجودات کی توجیہہ کر سکتے ہیں۔ علم کی حد تک دونوں شخص یکساں ہیں۔ مگر

معرفت کے فرق نے دونوں میں زمین آسمان کا فرق پیدا کر دیا۔

۴۔ انجیل کا ایک فقرہ ہے:

"تم زمین کے نمک ہو۔ لیکن اگر نمک کا مزہ جاتا رہے تو وہ کس چیز سے نمکین کیا جائے گا۔ پھر وہ کسی کام کا نہیں سوا اس کے کہ باہر پھینکا جائے اور آدمیوں کے پاؤں کے نیچے روندا جائے"

متی ۵:۱۳

اس فقرے میں دراصل بنی اسرائیل کے آخری نبی نے یہود کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ تم صاحب کتاب ہونے کی وجہ سے اہل دنیا کے لئے روشنی کا ذریعہ تھے۔ تمہاری حیثیت ہادی اور رہنما کی تھی۔ مگر تم نے کتاب الٰہی کو چھوڑ کر اپنا مقام کھو دیا۔ اور اس طرح خود ہی اپنے کو اس کا مستحق بنا لیا۔ کہ دوسروں سے تمہیں ذلیل کیا جائے مگر اس قانون الٰہی کو نہ جاننے کی وجہ سے ایک امریکی ماہر کیمیا (ELMER W. MAURER) نے اس کی عجیب و غریب تاویل کی ہے۔ وہ ایک کیمیا داں ہے۔ اس لئے اس نے علم کیمیا کی روشنی میں اس کو دیکھا تو اس کا ذہن ایک اور ہی سمت چلا گیا۔ وہ لکھتا ہے کہ "تحقیق کے بعد میں اصل راز کو پا گیا"

"وہ یہ کہ رومی ارض مقدس کے رہنے والوں سے نمک بطور محصول وصول کرتے۔ اہل فلسطین کو نمک کی سب سے زیادہ یافت بحیرۂ مردار یا بحیرۂ نمک سے ہوتی۔ یہ محصول اتنے ظالمانہ تھے کہ لوگ نمک میں ریت وغیرہ کی آمیزش کرنے پر مجبور تھے۔ حکومت اس نمک کو پانی کے بڑے بڑے حوضوں میں ڈال دیتی۔ جب نمک پانی میں گھل جاتا تو نمکین پانی اوپر سے نکال لیا جاتا اور ملاوٹی مادہ ناقابل تحلیل ہونے کی وجہ سے تہ نشین ہو کر حوض میں رہ جاتا۔ اس طرح نمک نے اپنا ذائقہ کھو دیا تھا۔ وہ اب نمک باقی نہیں رہا تھا۔ وہ اسی قابل تھا کہ پاؤں کے نیچے روندا جائے"

وہ مزید لکھتا ہے:

"یہی ایک طریقہ نہیں تھا جس سے نمک اپنا ذائقہ کھو دیتا۔ بحیرۂ مردار (READ SEA) کی سطح کا پانی دیگر اجزاء کے ساتھ ۳۱ فیصد سوڈیم کلورائڈ۔ ۱۳ فی صد کیلشیم کلورائڈ اور ۴۷ فی صد میگنیشیم کلورائڈ رکھتا ہے۔ کیلشیم اور میگنیشیم کلورائڈ، ہوا سے پانی جذب کرنے کی خاصیت رکھتا ہے۔ اور اس بنا پر جب نمک کے ساتھ شامل ہوتے ہیں تو اسے تحلیل کر دیتے ہیں۔ اس طرح ایک ناخوشگوار آمیزہ تیار ہو جاتا ہے۔ رواج تھا کہ وہ لوگ اس قسم کے نمک کے لئے بڑے بڑے ذخائر ان گھروں میں محفوظ کر لیتے جن کا فرش مٹی کا ہوتا۔ بعض اوقات

زمین کے ساتھ نمک کی جو نہیں بیٹھ جاتیں وہ نمی کی وجہ سے خراب ہو جاتیں چونکہ یہ ذخیرہ نمک ملا ہوا ہونے کی وجہ سے زرخیز زمینوں کے لئے مضر ہوتا تھا۔ اس لئے کوئی شخص بھی اسے کھیت میں پھینکنے کی اجازت نہ دیتا۔ اس بنا پر اسے صرف گلیوں ہی میں پھینکا جاتا۔ جہاں چلنے والے لوگ اسے اپنے پاؤں کے نیچے روندتے۔"

THE EVIDENCE OF GOD IN AN EXPANDING UNIVERSE

EDITED BY, JOHN CLOVER MONSMA

(N.Y. 1958) P. 205

انجیل کے فقرے کی یہ توجیہہ ظاہر ہے کہ لال بجھکڑ کی روایتی کہانیوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ وہ نہ تو بجائے خود صحیح ہے اور نہ وہ متعلقہ فقرے پر کسی طرح منطبق ہوتی۔ مگر ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص نے ایسی بچگانہ غلطی کا ارتکاب صرف اس لئے کیا کہ اس نے سائنس کا علم تو حاصل کیا تھا مگر دین کی حقیقتوں سے وہ نا آشنا تھا۔ وہ اس نمک سے واقف تھا جو علم کیمیا میں زیر بحث آتا ہے اور لیبارٹری میں جس کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ "نمک" کی ایک اور قسم ہے جس سے دل و دماغ کو چاشنی حاصل ہوتی ہے جس سے زندگی میں خدا پرستی کا ذائقہ ہوتا ہے "نمک" کا لفظ دیکھ کر اس کا ذہن کیمیائی نمک کی طرف چلا گیا اور اپنے معروف نمک کے مطابق اس نے ایک تشریح کر ڈالی۔

اس کے باوجود اس کیمیا دان کو اپنے تصور پر اس قدر یقین ہے کہ وہ اس کے بعد لکھتا ہے:

"یہ صرف ایک نمونہ ہے جس سے ثابت ہے کہ بائبل اپنی جزوی تفصیلات تک میں سائنسی طور پر بالکل صحیح ہے۔" (صفحہ ۲۰۵)

۴۔ ایک صاحب جو پی ایچ ڈی کی ڈگری رکھتے ہیں انہوں نے ریسرچ میں اپنے مقالہ کے لئے اسلام کے معاشی نظریات (THE ECONOMIC DOCTRINES OF ISLAM) کا عنوان لیا۔ ان کا ذہن یہ تھا کہ مسلمانوں کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر قسم کی اقتصادی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ اپنے مقالے کے ایک حصے کو تیار کرنے کے لئے انہیں یہ معلوم کرنا تھا کہ اسلام نے پیدائش دولت کے کن وسائل کی طرف پیرووں کو متوجہ کیا ہے۔ اس مقصد سے انہوں نے قرآن کا مطالعہ کیا۔ نوان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ یہاں تو بالکل لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصاھا کا معاملہ ہے پیدائش دولت کا کوئی ذریعہ ایسا نہیں تھا جس کی طرف انہیں کتاب الٰہی میں "اشارہ" نہ مل گیا ہو۔

اس حیرت انگیز انکشاف کی بنیاد کیا تھی۔ اس کو ایک مثال سے سمجھئے۔ قرآن مجید میں موسیٰؑ اور فرعون کی کش مکش کے جو واقعات ہیں ان میں سے ایک واقعہ وہ ہے جب فرعون نے اپنے وزیر ہامان سے کہا:

فاوقد لی یا ھامان علی الطین فاجعل لی صرحا اے ہامان! مٹی کے گارے کو جلا اور میرے لئے ایک بلند عمارت
لعلی اطلع الی الہ موسیٰ (قصص) بنا کہ میں اس پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کو دیکھوں۔

اس آیت کو پڑھتے ہی موصوف اچھل پڑے۔ انہوں نے کہا: یہ تو نزاعیاتی صنعت CERAMIC INDUSTRIES کی تعلیم ہے حالاں کہ ظاہر ہے کہ اس فقرے کا نزاعیاتی صنعتوں کے قائم کرنے یا نہ کرنے سے کوئی تعلق نہیں وہ تو صرف فرعون کے غرور کو بتا رہا ہے جو اس نے خدا کے نبی کے سامنے ظاہر کیا۔

اسی طرح جہاں کہیں کوئی ایک لفظ مل گیا خواہ وہ سیاق میں بھی آیا ہو انہوں نے فوراً اس سے ایک معاشی مفہوم نکال لیا۔

وما من دابۃ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ (انعام) ان کے نزدیک مرغبانی اور پرندپروری کی تعلیم دینے والی آیت تھی واوحی ربك الی النحل (نحل) شہد کی مکھیاں پالنے اور شہد کی تجارت کرنے کے ہم معنی تھا ولباسھم فیھا حریر میں کرم پروری اور سلک انڈسٹری کی طرف اشارہ تھا ویصنع الفلك (ھود) جہاز سازی کا کارخانہ قائم کرنے کا پیغام تھا۔ وعلوا اساور من فضۃ (دھر) میں زیورسازی کی صنعت کی ہمت افزائی کی گئی تھی۔ اسی طرح محقق "سرسری فہرست بندی" میں انہوں نے سو سے بھی زائد ایسی مصنوعات کا پتہ لگایا تھا جن کی طرف قرآن مجید میں "اشارے" کئے گئے ہیں حتیٰ کہ اس جوش میں وہ یہ بھی بھول گئے کہ قرآن سے جن صنعتی کاموں کی فہرست وہ بنا رہے ہیں اس میں اصنام۔ تماثیل۔ خمر اور صوامع جیسی چیزیں بھی شامل ہیں۔

مختلف قسم کی صنعتوں کو قائم کرنے اور ان کو فروغ دینے کے بارے میں اس قرآنی استدلال کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ موصوف کو عربی الفاظ کے معانی کا علم تو تھا مگر قرآن کی حکمت سے وہ آشنا نہیں تھے اس لئے انہیں محسوس نہیں ہوا کہ جن آیات کے حوالے سے وہ اپنا استدلال کھڑا کر رہے ہیں ان آیات کا صنعت و تجارت کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ استدلال صریح طور پر قرآن کی روح کو مجروح کر رہا ہے۔

آپ کو یہ سن کر مزید حیرت ہو گی کہ ایک مخصوص حلقہ میں اس کتاب کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ معاشیات کے ایک پروفیسر نے اس کو عظیم تصنیف (GREAT WORK) سے تعبیر کیا۔ اور کیمرج یونیورسٹی کے انگریز پروفیسر (DR. KRENKOW) نے لکھا۔

THE WORK IS A DILIGENT AND SCIENYIFIO STUDY

یعنی یہ تصنیف محنت اور علمی مطالعہ کا ایک نمونہ ہے

۴ - مشہور حدیث جبرئیل کا ایک فقرہ ہے۔

الاحسان ان تعبد اللہ کانك تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراك (حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے)

کئی سال پہلے کی بات ہے۔ ایک شخص نے مجھ سے اس فقرہ کے بارے میں دریافت کیا۔
انہوں نے کہا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں کسی قسم کی "رویت" کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ خدا کی بندگی یہ سمجھ کر کی جائے کہ خدا جو علیم و بصیر ہے وہ یقیناً ہم کو دیکھ رہا ہوگا۔ وہ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

"احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو۔ کیونکہ اگر تم اسے دیکھ نہیں رہے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے"

جو لوگ حدیث کا یہ مطلب بتاتے ہیں۔ انہوں نے خدا کو نہیں دیکھا اگر وہ دیکھتے تو ایسا ترجمہ نہ کرتے۔ یہ میرا جواب تھا۔ یہ صحیح ہے کہ اس دنیا میں کوئی شخص خدا کا عینی مشاہدہ نہیں کر سکتا۔ اس قسم کا مشاہدہ صرف آخرت میں ممکن ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ بندہ جب خدا کی یاد اور اس سے خوف و محبت کے جذبات میں غرق ہوتا ہے تو اس پر شبہ رویت کی سی ایک کیفیت طاری ہوتی ہے اس کو ایسا محسوس ہوتا ہے گویا وہ خدا کو دیکھ رہا ہے۔

ہمارے اور خدا کے درمیان محض ایک نظریاتی نسبت نہیں ہے بلکہ ایک گہرا فطری اور نفسیاتی ربط ہے۔ عام انسانوں میں یہ ربط چھپا رہتا ہے۔ مگر جو لوگ اپنے آپ کو خدا کے لئے وقف کر دیتے ہیں ان کا یہ ربط اسی طرح ابھر آتا ہے جیسے دوسری فطری صلاحیتیں نکاس کا راستہ پانے کے بعد ظاہر ہو جاتی ہیں اور ایسا نہ ہو تو دبی پڑی رہتی ہیں۔ بندہ جب اپنے آپ کو بالکل خدا کی طرف متوجہ کر دیتا ہے تو خدا بھی اس کے انتہائی قریب آجاتا ہے۔ خالق اور مخلوق کے درمیان جو امکانی ربط ہے وہ بالفعل قائم ہو جاتا ہے اس وقت خدا کا تصور آدمی کی فکر و نظر میں اس طرح سما جاتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز اس کو خدا کی یاد دلانے والی بن جاتی ہے اس پر ایسے لمحات گزرتے ہیں جب خدا کے سوا اور کوئی چیز اس کے سامنے نہیں ہوتی۔ وہ شوق اور اشتیاق کے شدید جذبات کے ساتھ خدا کی طرف لپکنے لگتا ہے۔ اس کو ایسی کیفیت سے بھری ہوئی دعائیں نصیب ہوتی ہیں جیسے کہ وہ عین اپنے رب کے سامنے کھڑا ہوا ہے اور اس سے گڑگڑا کر مانگ رہا ہے اس کو ایسے سجدے نصیب ہوتے ہیں جب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس نے اپنا سر اپنے رب کے قدموں میں ڈال دیا ہے اور اس کے آگے زمین پہ پڑا ہوا ہے۔ اس کو ایسے اعمال کی توفیق ملتی ہے گویا کہ وہ عین خدا کے حضور میں ہے۔ اور اس کی خوشنودی کے لئے سرگرم ہے ___ یہ وہ لمحہ ہوتا ہے جب بندگی اپنے انتہائی معراج پر پہنچ جاتی ہے اس وقت بندہ جسمانی اعتبار سے خدا سے دور ہونے کے باوجود اپنے احساس کے اعتبار سے خدا کے قریب ہو جاتا ہے۔ نہ دیکھنے کے باوجود خدا کو

---

[1] یہی مفہوم بعض دوسری روایات میں ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے۔

اخشی اللہ کانک تراہ (تم اللہ سے اس طرح ڈرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو) فتح الباری جلد اوّل

دیکھنے لگتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث میں عبادت کے دو درجے بتائے گئے ہیں پہلا اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ بندے کے قلب و روح پر خدا کا خیال اس طرح چھا جائے کہ اس پر حضوری کی کیفیت طاری ہونے لگے۔ اور دوسرا درجہ یہ ہے کہ وہ اپنے ذہن میں اس تصور کو جمائے کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے اور اسی تصور کے تحت خدا کی عبادت کرے۔ اسی لئے حدیث کے پہلے ٹکڑے میں "رویت" کی نسبت بندے کی طرف کی گئی ہے اور دوسرے ٹکڑے میں رویت کی نسبت خدا کی طرف۔ اس اعتبار سے فقرے کا صحیح ترجمہ وہ ہے جو شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے کیا ہے۔ انہوں نے اس حدیث میں عبادت کے دو "مراتب" مراد لئے ہیں۔ ایک "اعلیٰ" اور دوسرا اس سے "فروتر" "مرتبہ اعلیٰ یہ کہ بندہ — در مشاہدۂ معبود و حضور ذات اقدس وے مستغرق باشد" اور اس سے فروتر مرتبہ "آگاہ بودن است از نظر الٰہی و علم وے تعالیٰ بحال بندہ" اس کے بعد انہوں نے اس کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے:

احسان عبادت کردن است خدا تعالیٰ را چناں کہ گویا می بینی او را۔ پس اگر نیستی تو با ایں حال کہ گویا می بینی او را۔ عبادت کن او را با ایں صفت کہ جانندہ باشی ازیں کہ می بیند وے ترا دریں صورت۔

اشعۃ اللمعات ج اول ص ۳۵

احسان کا مطلب خدا کی عبادت اس طرح کرنا ہے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے، پس اگر تمہاری یہ کیفیت نہ ہو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ تو تم اس طرح عبادت کرو کہ یہ خیال تمہارے ذہن میں موجود رہے کہ خدا تم کو عبادت کرتے ہوئے دیکھ رہا ہے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:-

اشار فی الجواب الی حالتین ارفعهما ان یغلب علیه مشاهدة الحق بقلبه حتی کانه یراه بعینه ... والثانیة ان یستحضر ان الحق علیه یری کل ما یعمل

(فتح الباری ج ا ص ۱۱۱)

"احسان کیا ہے" کے سوال کا جواب جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے اس میں دو حالتوں کی طرف اشارہ فرمایا۔ ان میں بلند حالت یہ ہے کہ عابد کے دل پر مشاہدۂ حق کا اس قدر غلبہ ہو گویا کہ وہ اپنی آنکھوں سے خدا کو دیکھ رہا ہے۔ دوسری حالت یہ ہے کہ اس خیال کو اپنے ذہن میں مستحضر رکھے کہ خدا اس سے باخبر ہے اور وہ اس کے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

اوپر جو چند مثالیں میں نے دیں ان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علم کے ساتھ معرفت کس قدر ضروری ہے اگر معرفت یا دوسرے لفظوں میں اشیاء کی پہچان نہ پیدا ہوئی ہو اور آدمی کو ان حقیقتوں سے آشنا ہونے کا موقع نہ ملا ہو تو محض علم کافی نہیں ہو سکتا۔ ظاہری معلومات رکھنے کے باوجود آدمی طرح طرح کی بے خبری میں مبتلا رہتا ہے وہ دیکھتا ہے۔ مگر

نہیں دیکھتا۔ وہ پڑھتا ہے مگر نہیں سمجھتا۔

علم حقیقت میں وہی علم ہے جس کے ساتھ معرفت کی گہرائیاں شامل ہوں جس نے "علم" کا لفظ ڈکشنری میں دیکھا ہو مگر اس کو تڑپنا نصیب نہیں ہوا۔ وہ علم کا مطلب نہیں جانتا۔ ایسا شخص بس ترجمہ کرنے والی مشین ہے جو ایک زبان کا لفظ دوسری زبان میں دہرا دیتی ہے۔ مگر نہیں جانتی کہ اس کا مطلب کیا ہے جس نے کتاب الٰہی میں لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرایتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ پڑھا مگر قرآن نے خود اس کے اوپر نازل ہو کر اس کے دل کے ٹکڑے نہیں کئے۔ وہ نہیں جانتا کہ اس آیت میں کون سی حقیقت بتائی گئی ہے جس نے اسلام کے معاشی قوانین پر عبور حاصل کر لیا مگر اس پر ابھی ایسا معاشی واقعہ نہیں گزرا کہ وہ ایک صاحب حاجت کو اپنی جیب سے پیسے دے۔ اور دوسری طرف اس کی ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں میں والذین یؤتون ما آتوا وقلوبہم وجلۃ کی تفسیر جھلک رہی ہو اس وقت تک اسلام کی معاشیات سے بے خبر ہے جس نے نماز کے مسائل جان لئے۔ مگر نماز سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوئیں۔ نماز اس کے لئے خدا سے سرگوشی نہیں بنی وہ ابھی نماز سے ناآشنا ہے جس نے حدیث کی کتابیں ختم کر ڈالیں۔ مگر اس کے آنسوؤں نے کتاب کے اوراق نم نہیں کئے، وہ حدیث کی حقیقت سے ناواقف ہے جس کو دنیا نے اسلام کے مقرر کا خطاب دیا ہو۔ اس کی تقریر اس وقت تک اسلامی تقریر نہیں بنتی جب تک کہ وہ خدا سے دعاؤں اور التجاؤں کے نتیجے میں نہ ابلی ہو۔ جس کو لوگ اسلام کے مصنف کی حیثیت سے جانتے ہوں۔ اس کی تصنیف اس وقت تک اسلامی تصنیف نہیں ہے جب تک اس پر یہ حالت نہ گزری ہو کہ وہ بے قرار ہو کر سجدے میں سر رکھ دے اور کہے کہ خدایا! تو میرا قلم بن جا جس سے میں لکھوں تو میرا دماغ بن جا جس سے میں سوچوں۔

جاننے والو! جانو، کیونکہ تم ابھی نہیں جانتے۔ پڑھنے والو پڑھو۔ کیونکہ تم نے ابھی نہیں پڑھا۔

از افادات حضرت خواجہ محمد نقشبند ثانیؒ
محمد عبدالرشید ابن خواجہ محمد نور بخش نقشبندی

صدقات وخیرات کی فضیلت

حضرت سیدنا و مرشدنا خواجہ محمد نقشبند ثانی قدس سرہٗ نے فرمایا:

اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃ دنیا آخرت کی کھیتی ہے

جس شخص نے اس جگہ بویا یعنی نیک اعمال بجا لاتا رہا تو اس کے لئے نیکی کی جزا نیک ہے اور یہ جزا اللہ کی رضا ہے جو جنت میں داخل ہونا ہے۔ بدی کی سزا اللہ تعالیٰ کا غضب ہے۔ اور دوزخ کا عذاب ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے۔ قرآن مجید کی کئی آیتیں اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی حدیثیں۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے بارے میں اور مال خرچ نہ کرنے کی برائی کے متعلق لکھی جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط (آل عمران۔ آیت ۹۲)

ترجمہ۔ ہرگز نیکی میں کمال حاصل نہ کر سکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز میں سے کچھ خرچ کرو۔

تم نیکی کے اس مرتبے کو جس کی تمہیں خواہش ہے ہرگز نہیں پا سکتے جب تک کہ تمہیں جس چیز سے پیار ہے۔ اسے (اہل وعیال کو) نفقہ میں نہ دو یا خیرات نہ کرو۔ اور مال میں سے فقراء کو صدقہ نہ دو۔ یا حاجت مندوں کو مدد نہ پہنچاؤ۔ پیارے بدن طاقت کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف نہ کرو۔ یا دل کو محبت الٰہی کے لئے وقف نہ کرو۔ یا جان کو رضائے حق تعالیٰ میں قربان نہ کرو۔

اس آیت شریفہ کے نزول کے بعد حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! میرے پاس سب سے مال اور سب سے محبوب چیز موجود ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ جس جگہ کے لئے حکم دے آپ خرچ فرما دیں۔ اور وہ ایک باغ تھا نہایت ہی مرغوب اور بہت تر و تازہ تھا۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اس میں تشریف لے جاتے اور اس کا پانی میوہ تناول فرماتے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خوب خوب! ابو طلحہؓ اس مال کا خرچ کرنا بہت زیادہ نفع دینے والا پس آپ نے فرمایا کہ اس باغ کو حضرت ابو طلحہؓ کے رشتہ داروں میں تقسیم کیا جائے۔

نیز حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس کوہ احد جتنا سونا ہوتا تو مجھے یہ بات خوش کرتی یعنی آپؐ نے فرمایا کہ تحقیق میں اس بات کو اچھا سمجھتا ہوں کہ اس سونے کو تین دن گزرنے سے پہلے خیرات کر دوں تاکہ تیسرے روز اس میں سے میرے پاس دینے کے لئے کچھ نہ رہے بجز بقدر قرضہ ادا کرنے کے جو میرے ذمے ہو۔

اور نیز فرمایا کہ سخی اللہ تعالیٰ کے قریب ہے اور جنت کے قریب ہے اور لوگوں کے قریب ہے اور دوزخ سے دور ہے اور بخیل اللہ تعالیٰ سے دور ہے اور جنت سے دور ہے اور لوگوں سے دور ہے اور دوزخ کے قریب ہے اور جاہل سخی اللہ تعالیٰ کو بخیل عابد سے زیادہ پیارا ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ آپؐ کے صحابی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا آپ اس وقت کعبہ شریف کے سائے میں تشریف فرما تھے جس وقت آپ نے مجھے دیکھا تو فرمایا کہ وہ گھاٹے میں ہیں یعنی زیاں اٹھانے والے ہیں۔ پروردگار کی قسم ہے۔ پس میں نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یا رسول اللہ! یہ نقصان والے کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو مال و دولت زیادہ رکھتے ہیں بجز ان مالداروں کے جو اسے آگے پیچھے، دائیں جانب اور بائیں جانب (خیرات و صدقہ میں) دیتے ہیں۔ مگر اس قسم کے مالدار بہت کم ہیں۔

نیز آپ نے فرمایا کہ بیشک صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو مٹاتا ہے۔

اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک بدکار عورت بخشی گئی۔ اس کا گزر ایک کتے پر ہوا جو کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھا تھا۔ اور اس نے پیاس کی وجہ سے اپنی زبان باہر نکالی ہوئی تھی اور قریب تھا کہ پیاس کی شدت اسے مار ڈالے۔ اس بدکار عورت نے اپنا موزہ لیا اور اسے اپنی اوڑھنی کے ساتھ باندھا اور اس کے ساتھ کتے کے لئے کنوئیں سے پانی نکالا اور اسے پلایا اس عمل کی بدولت وہ عورت بخش دی گئی۔ حضرات صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یقیناً ہمارے لئے جانوروں اور چوپایوں کا خیال رکھنے میں بھی ثواب ہے آپؐ نے فرمایا کہ ہر جگر کی رعایت کرنے میں۔ یعنی ہر زندہ کی رعایت موجب اجر و ثواب ہے۔

جب ایک کتے کا خیال رکھنے سے اس قدر بڑا اجر ملا تو ایک مسلمان خصوصاً ایک نیک شخص کی رعایت میں کتنا بڑا درجہ ملے گا

(از مکتوب ۷۔ حصہ دوم)

۲- اَلصَّدَقَةُ تَمْنَعُ سَبْعِيْنَ نَوْعًا مِّنَ الْبَلَاءِ اَهْوَنُهَا الْجُذَامُ وَ الْبَرَصُ

(الجامع الصغیر السیوطی)

ترجمہ:- صدقہ سے ستر قسم کی تکلیفیں اور بیماریاں دور ہوتی ہیں ان میں سے جذام اور برص تو ہلکے مرض ہیں (جو دور

ہوتی ہیں۔ ان میں سے جذام اور برص تو ہلکے مرض ہیں (جو دور ہو تے ہیں)

حاصل یہ نکلا کہ صدقہ دینے سے بیماریاں ٹل جاتی ہیں اس لئے بیماریاں ٹل جاتی ہیں لہذا بیماری کی حالت میں (۱) دوا۔ (۲) دعا اور (۳) خیر و خیرات کا سہارا لینا چاہئے اور اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگنی چاہئے۔

امراض دو قسم کے ہیں ایک جسمانی اور دوسرے روحانی۔ بزرگ حضرات دونوں قسموں کے امراض سے صحت یاب ہونے کے لئے صدقہ اور خیرات کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔

۳۔ الصدقۃ تسد سبعین بابا من السوء (کنوز الحقائق المناوی)

ترجمہ: صدقہ و خیرات برائی کے ستر دروازے بند کرتا ہے۔

۴۔ انفاق فی سبیل اللہ کی مثالیں ہمارے اسلاف کی ہماری رہنمائی کے لئے کتابوں میں موجود ہیں ان میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ اپنی جائیداد سات لاکھ درہم میں فروخت کی اور ساری رقم خیرات کر دی دوسری مرتبہ چار لاکھ درہم اپنی قوم میں تقسیم کر دئے۔

(مہاجرین حصہ اول مطبوعہ اعظم گڑھ)

۲۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ایک مرتبہ سات سو اونٹوں کا قافلہ مدینہ منورہ میں آیا۔ ان پر گیہوں، آٹا دوسری کھانے کی چیزیں لدی تھیں۔ آپ نے یہ پورا قافلہ اسباب و سامان اور اونٹوں سمیت راہِ خدا تعالیٰ میں دے دیا نیز آپ نے اپنی زمین چالیس ہزار میں بیچ کر ساری رقم خیرات کر دی۔ (ایضاً)

۳۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چار سو دینار چار ہزار درہم بطور انعام بھیجے انہوں نے تمام رقم مجاہدین میں تقسیم کر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ الحمد للہ اسلام میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں۔ (ایضاً)

۴۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک دن ستر ہزار درہم خیرات کئے۔ اور اپنے پاس کچھ بھی نہ رکھا۔

(طبقات ابن سعد حصہ ہشتم)

ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایک لاکھ کی رقم بھیجی۔ آپ نے ساری رقم لوگوں میں بانٹ دی اور ایک درہم بھی اپنی ضرورت کے لئے نہ رکھا۔ (ایضاً)

۵۔ ام المومنین نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے بارہ ہزار کا عطیہ اپنے عزیزوں اور حاجتمند میں تقسیم کر دیا۔

جنرل ٹائر

امریکہ کی جدید ترین فنی مہارت
پاکستانی ہنرمندوں کی
اعلیٰ ترین صلاحیت
جنرل ٹائرز کی نمایاں ترین
خصوصیت

ہمارا بلند ترین معیار
ہرحالت میں برقرار

جنرل ٹائر اینڈ ربر کمپنی
آف پاکستان لمیٹڈ
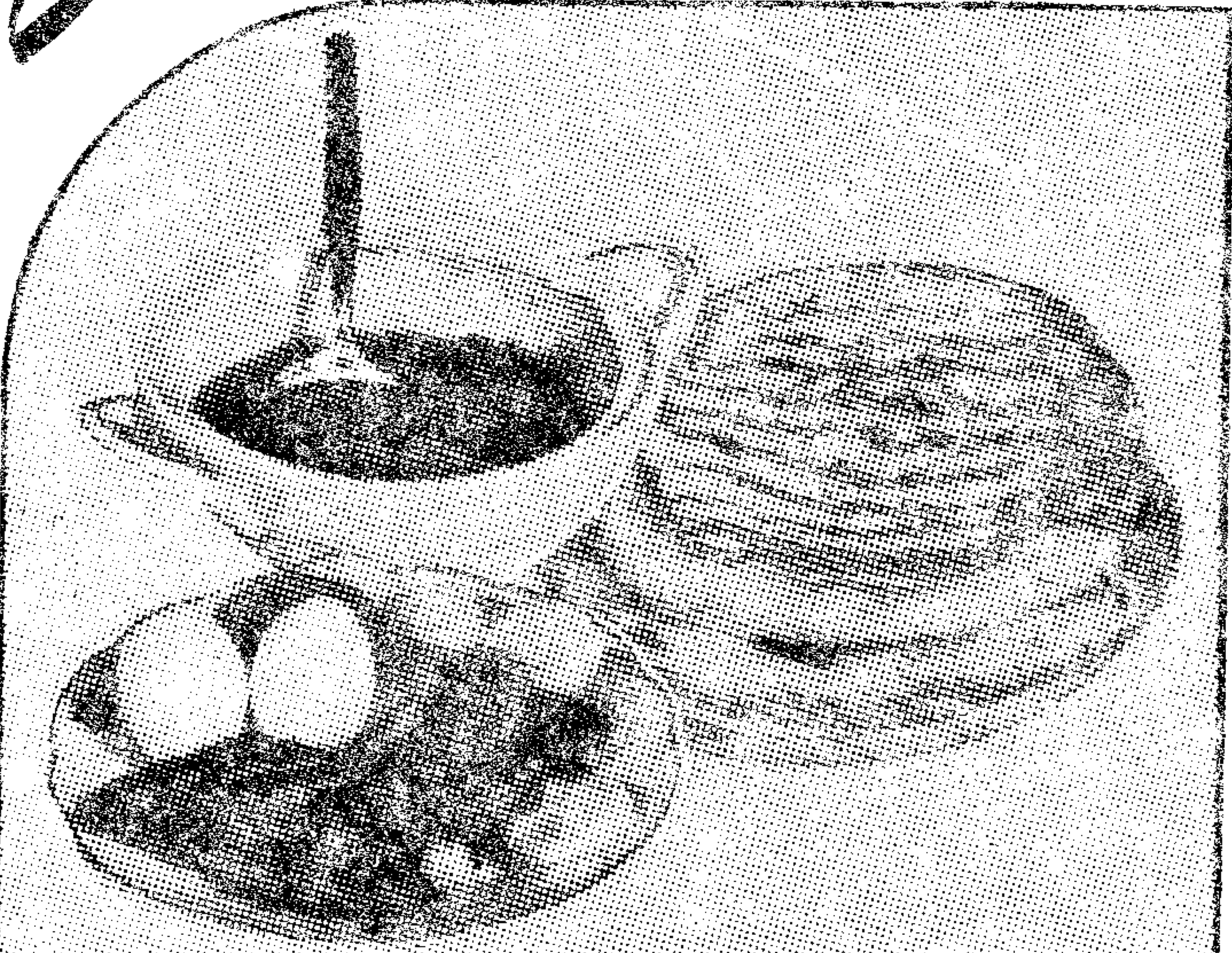
Prestige G.T.L. 133/4-79

Adarts

CAR-3/79
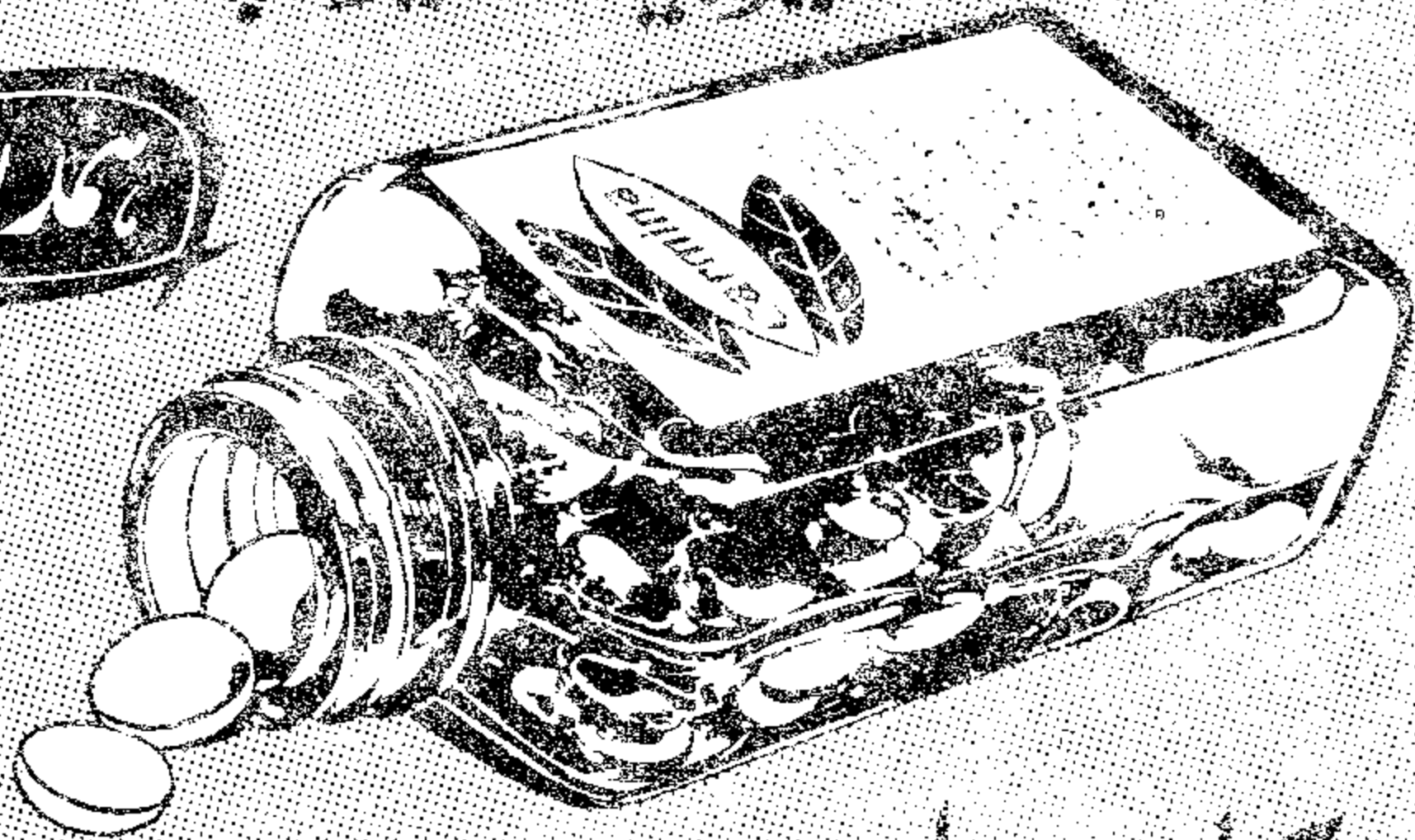
دارالعلوم حقانیہ

منزل بہ منزل

(۳۰ سال قبل)

دارالعلوم حقانیہ کا جلسہ دستاربندی

دارالعلوم حقانیہ کے شاندار ماضی کو مرتب و مدون کرنے اور اسے ریکارڈ پر لانے کے سلسلہ میں ضروری ہے کہ ایسے تمام مواد، یادداشتوں، قلمی رپورٹوں، واردین و صادرین کی تفصیلات بالخصوص دارالعلوم کے ابتدائی دور کے جلسہ ہائے دستاربندی کی روداد جو اس وقت چھپ نہیں سکیں کسی نہ کسی طرح شائع کرکے محفوظ کی جائیں اس غرض کیلئے دارالعلوم کی مفصل تاریخ کی تدوین اور ماہنامہ الحق کی خصوصی اشاعت کے علاوہ فوری طور پر ادارہ الحق نے فیصلہ کیا ہے کہ ایسے مواد کو دارالعلوم کے ریکارڈ سے تلاش کرکے الحق کے ذریعہ محفوظ کیا جائے۔

۹-۱۰ ر شعبان ۷۴ھ - م ۲۷ ر ۲۸ ر مئی ۵۵ء

اس وقت ہمارے سامنے دارالعلوم کے ایک جلسہ دستاربندی ۱۹۵۵ء کی رپورٹ ہے۔ یہ جلسے اپنی افادیت اور وسعتوں کے لحاظ سے دیرپا اثرات کے حامل ہوتے تھے۔ اور ایک عظیم الشان علمی جشن (بقول مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند) کی صورت اختیار کر لیتے تھے۔ پیش نظر رپورٹ اس وقت پشاور کے ہفت روزہ البلاغ نے خصوصی شمارہ ۸۵ رجون ۱۹۵۵ء جلسہ دستاربندی نمبر میں شائع کی تھی۔ اور جسے مولانا سعید الدین صاحب شیر کوٹی نے مرتب کیا تھا جس کی پہلی قسط پیش خدمت ہے۔

ابھی پچھلے دنوں دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا اجتماع بسلسلہ دستاربندی فضلاء دارالعلوم حقانیہ منعقد ہوا۔ جس کی اجمالی کارروائی البلاغ کی گذشتہ اشاعت میں درج کی گئی تھی آج کی صحبت میں ہم تفصیلی طور پر ان تقاریر کو درج کر دینا مناسب خیال کرتے ہیں جو اس کامیاب اجتماع میں فاضل مقررین نے کیں پہلی نشست میں جو ۲۷ رمئی کو بعد نماز ظہر زیر صدارت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحب غرغشتوی تین بجے منعقد ہوئی۔ تلاوت کلام پاک کے بعد مولانا روح الامین صاحب[1] نے پشتو میں مبسوط خطبہ استقبالیہ دیا اس خطبہ میں مولانا نے جو کچھ فرمایا اس کا حاصل یہ ہے۔

خطبہ استقبالیہ ہم اس چیز کو مسلمان کے دینی فرائض کی ادائیگی کا ثبوت بنا سکتے ہیں کہ اس وقت بیشتر اکابرین علماء و مشائخ اس اجلاس میں شرکت فرما رہے ہیں دور دراز سے آکر سینکڑوں حضرات نے ہماری حوصلہ افزائی کی ہے۔ اور ان میں مختلف بزرگ اور مختلف قسم کے اکابرین شامل ہیں۔ ان میں وہ بھی ہیں جنہوں نے سیاسیات کا میدان اپنے لئے منتخب کر لیا تھا جو گوشہ نشینی کو پسند کرتے ہیں۔ وہ بھی ہیں جن سے علمی سلسلے قائم ہیں اور وہ بھی ہیں جن سے طریقہائے طریقت کی راہ ملتی ہے بہرصورت یہ سب حلقے ہیں وہی جن سے اصلاح امت کی ذمہ داریوں کا تعلق ہے۔ مولانا نے فرمایا ہمیں بجا طور پر فخر ہے کہ یہ حضرات ہماری حوصلہ افزائی کا باعث بنے ہیں۔

اپنے اس بیان میں مولانا روح الامین صاحب نے حالات حاضرہ کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے اور دارالعلوم حقانیہ کی بناء کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ اس دور میں کہ آج ہر گلی و کوچہ میں نئی تہذیب کا دور دورہ ہے۔ اور ہر طرف فتنوں کا طومار ہے۔

---

[1] محکمہ تعلیمات واسنہ رہے ہے ... بحیثیت ...

ہم نے اس دارالعلوم کو ایک اجمالی خاکے کے طور پر پیش کیا ہے اور یہ اسی وسیع اصلاحی نا تحریک کا اجمال ہے جو اصلاحِ حالات کا ضامن ہے اپنے خطبہ کے خاتمہ پر آپ نے علماء کرام اور تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

خطبہ استقبالیہ کے بعد سید غلام علی صاحب[1] نے درج ذیل اردو سپاسنامہ دارالعلوم کی جانب سے پیش کیا۔

سپاسنامہ

بخدمت جملہ علماء کرام و معززین و اہالیانِ اکوڑہ و شرفائے مضافات اکوڑہ منجانب دارالعلوم حقانیہ ؎

نشد در بارہ گہر در صدف و بو در گل   آں قدر لطف ندارد کہ تو در خانۂ ما

جنابانِ والا! ہم سب سے پہلے اس خالقِ ارض و سما کا شکریہ ادا کرتے ہیں جس نے ہمیں پاکستان جیسی آزاد اسلامی مملکت عطا کی اور یہ پاکستان ہی کی برکات ہیں جس کی وجہ سے آپ آج اپنے ہی گھروں میں اپنے نوجوانوں کو زیورِ علمِ دین سے مزین دیکھ رہے ہیں۔ مقامِ فخر ہے کہ آج ان کی تحصیلِ علوم کی دستار بندی کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ حضورانِ والا! ہمیں احساس ہے کہ اس شدت گرمی میں دور دراز کی مسافت طے کر کے اور اپنی ضروری مصروفیات چھوڑ کر آپ نے یہاں آنے کی تکلیف گوارا فرمائی ہے اور جس علم پروری اور علم دوستی کا ثبوت آپ نے دیا، اس کا حساب دوستاں در دل کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں بہت بڑا مقام ہے اور اخروی نجات کا باعث ہے۔

ہمارے نسبت مہمانو! علماء کرام اور طلباء دین کے مقام کی آج عزت افزائی جو آپ نے کی یہ اللہ تعالیٰ اور جنابِ رسالت مآب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور وفاداری کا بین ثبوت ہے۔

کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں   یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

نیک ضمیر بزرگو! جس جانی اور مالی امداد کا ثبوت اہالیانِ اکوڑہ و مضافات اکوڑہ نے دیا ہے دارالعلوم ان کا رہتی دنیا تک احسان فراموش نہیں کرے گا۔ حضورانِ اقدس! دارالعلوم دیوبند میں جو کورس تکمیل پذیر ہوتا تھا اسی کورس کی تکمیل دارالعلوم حقانیہ میں کی جاتی ہے لہٰذا ان طلباء کو جو دارالعلوم حقانیہ سے فارغ شدہ ہوں اور یہاں ان کی دستاربندی کی گئی ہے ان کو فاضلِ دیوبند کی بجائے فاضلِ حقانیہ کہا جائے گا۔ آج کے بعد علمی مرکز کی حیثیت سے اکوڑہ کا نام پاکستان کے جغرافیہ اور علمی، مذہبی تاریخ میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہو گا۔ اور یہ سب علمی عروج ہمارے وطن کے قابلِ فخر فرزند شیخ الحدیث جناب مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کی بے شمار اور بے لوث مساعی کا نتیجہ ہے اور اس کامیابی کا سہرا انہی کے سر ہے۔

مہربانانِ علمِ دین! آخر میں آپ سب کی آمد کا شکریہ ادا کرتے ہوئے درگاہ رب العزت سے دست بدعا ہیں کہ جن اصحاب نے دارالعلوم حقانیہ کی ترقی اور امداد کے لئے دامے درمے قدمے سخنے امداد فرمائی ہے ان کو اللہ تعالیٰ دین و دنیا کی سرخروئی

---

[1] سید غلام علی شاہ بادشاہ اکوڑہ خٹک

عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

مخصوص برائے وزیر اعظم ؎

بہ محفل شمع تاباں در گلستاں رنگ و بوباشی الٰہی ہر کجا باشی بہار آبرو باشی

ہم ہیں طلبائے دارالعلوم حقانیہ۔ اکوڑہ خٹک۔

الحاج خان بہادر محمد زمان خان صاحب | اسی نشست میں الحاج خان بہادر محمد زمان خان[1] صاحب آف اکوڑہ خٹک نے اپنی ضعیفی کو نظر انداز کرکے ایک ولولہ انگیز تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

"ہمارے علمی مراکز اور دینی درس گاہوں کا ہاتھ سے نکل جانا، اور یہ ایک ایسا نقصان ہے جو ایک سمجھدار قوم کے لئے سب سے زیادہ رنج اور تکلیف کا باعث ہے۔ میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس نقصان کی تلافی کرنا مولانا عبدالحق صاحب کی قسمت میں لکھا تھا کہ انہوں نے حالات کی ناسازگاری کے باوجود تعلیم دین کا نعرہ بلند کیا اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ یہ نعرہ صدا بصحرا نہ ثابت ہوا۔

خان موصوف نے اپنے بیان میں اہالیان اکوڑہ کی جانب سے تمام مہمانوں کا پرخلوص خیر مقدم کیا۔ اس نشست کے اختتام پر شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحب غرغشتوی نے صدارتی تقریر فرمائی۔

مولانا نصیر الدین صاحب غرغشتوی | مولانا محترم نے اپنے صدارتی بیان میں دارالعلوم حقانیہ کو خصوصاً خطاب کیا اور فرمایا کہ اے نوجوانان ملت تم ہی پر قوم وملت اور ملک کی بہت سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور اس نظم عالم کی گاڑی کو غلط لائنوں سے اٹھاکر صحیح رستوں پر ڈالنا تمہارا ہی کام ہے۔

سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا "علم دین بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے جسے یہ نعمت نصیب ہوا سے شکر گذار ہونا چاہیے اور اس کی قدر کرے۔" علم کی کما حقہٗ قدر یہی ہے کہ علم کو عمل کے ہمدوش رکھا جائے اور اپنے علم سے دوسروں کو فیض پہنچانے کی اپنی بساط بموجب کوشش کی جائے۔ میری ان فضلاء کو یہی نصیحت ہے اور اسی کی میں ان کے لئے دعا کرتا ہوں۔ آپ نے فارغ طلبا کو خصوصاً مخاطب کرکے فرمایا۔ یہ دستار فضیلت یہی تقاضا رکھتی ہے کہ آپ اپنے علم کو ہر پہلو سے عمل کا روپ دیں۔

دوسری نشست | ۲۲ مئی کی شام کو ۹ بجے شب سے گیارہ بجے شب تک دارالعلوم کے پروگرام کے مطابق بزم مشاعرہ منعقد رہی۔ گیارہ بجے کے بعد تقریری پروگرام کا دوسرا اجلاس زیر صدارت حضرت بادشاہ گل صاحب سجادہ نشین اکوڑہ شروع ہوا۔ جس میں مولانا مصلح الدین صاحب مردان۔ حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی۔ مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب

---

[1] مایۂ ناز ادیب اور خٹک قبیلہ کے سربراہ مرحوم ہو چکے ہیں حلسہ میں خان بہادر کا لقب مسترد کردیا۔ تھر مولانا محمد حنان ہزاروی مرحوم نے خان اعلیٰ کا خطاب دے دیا۔

خطیب جامع کیمبل پور اور مولانا محمد یعقوب صاحب نے تقاریر فرمائیں۔

اس اجلاس کی کارروائی کا آغاز صاحب زادہ سمیع الحق صاحب سلمہ، خلف الرشید حضرت مولانا عبدالحق صاحب بانی دارالعلوم حقانیہ نے تلاوت کلام پاک سے فرمایا۔ اس کمسن بچے نے اپنے لحن داؤدی کے ذریعے مجمع پر کلام پاک کے تاثر سے وجد کی کیفیت طاری کردی۔ اس موقع پر کثیر مجمع ہونے کے باوجود جو اجتماع کے عظیم الشان پنڈال سے باہر تک پھیلا ہوا تھا ایک سناٹا چھایا ہوا تھا اور سمیع الحق سلمہ کی طرز تلاوت میں کلام پاک وادی مقدس میں گونجنے والی کلام ربانی کا نمونہ معلوم ہو رہا تھا۔ خورد سال قاری اپنی تلاوت میں خود بھی مگن تھا اور مجمع بھی از خود رفتگی کے عالم میں تھا کہ نُفِخَ فِی الصُّورِ ذٰلِکَ یومُ الوعید کے باعظمت الفاظ نے قیامت ڈھادی۔ اول تو مجمع ہی اہل علم لوگوں کا تھا یہاں اکثر قرآن کو سمجھنے والے اور اس کلام پاک کی ہر رمز اور نکتہ کو سمجھنے والے تھے اور اس کے علاوہ تلاوت کا مدوجزر بھی ایسا تھا کہ ہر سامع پر کلام کی نوعیت کے بموجب آثار پیدا کر رہا تھا۔ یہ تلاوت بجائے خود ایک خاص نوعیت کی تھی۔ اور اس سے مجمع پر ایسی کیفیت طاری ہوتا ایک امر لازم تھا۔

تلاوت کلام پاک کے بعد جناب سمندر خان صاحب سمندر نے اسلامی تاریخ کے ایک ورق کو اپنے منظوم خاص طرز ادا میں سامعین کے سامنے پیش کیا جس سے حاضرین نے کافی اثر لیا۔ جناب سمندر کی نظم کے بعد مولانا مصلح الدین صاحب نے تقریر فرمائی۔

مولانا مصلح الدین صاحب مردان | حمد و ثنا کے بعد مولانا مصلح الدین صاحب نے اپنے بیان کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا۔ اگر ہم ذرا غور کی نظر کریں تو یہ سمجھ لینا چنداں مشکل نہیں کہ اس اجتماع کی اصل حیثیت دنیا کی موجودہ بدحالی اور اسلام کے عروج و زوال کا اصل طریق عمل تلاش کرنا ہے۔ آپ نے حالات کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ جب ہم ایک فصل کو کارآمد بنانے کے لئے اس کی کاشت کے تمام ممکن اور مفید ذرائع تلاش کرتے ہیں تو آخر یہ کس حد تک ٹھیک ہوگا کہ ہم اسلام کی فصل کو بالکل لاوارث نوعیت سے چھوڑ دیں۔ کاشتکاری کی مختلف مثالوں سے آپ نے اپنے مقصد کو واضح کرتے ہوئے فرمایا۔

ہر چیز کے بقاء اور اس کے وجود کو قائم رکھنے کے لئے مختلف النوع چیزیں ضروری خیال کی جاتی ہیں جیسا کہ میں نے اپنی مثالوں میں آپ کو بتایا۔ کہ ایک فصل کے لئے تخم ریزی، زمین کو ہموار کرنا۔ اس کی ملائی اور گڈائی سے وقت پر پانی پہنچانا اور اسی طرح کی دوسری چیزوں کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے اسی طرح دنیا کی ہر چیز کے وجود کو باقی رکھنے کے لئے اس کی نوعیت کے مطابق کچھ ایسی ہی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان تمثیلات کے بعد آپ نے اصل مدعا کی طرف گریز کرتے ہوئے فرمایا۔ اسی طرح اگر ہم اسلام کے وجود کو قائم رکھنے کے خواہش مند ہیں تو کیا ہم اس کی آبیاری کی ضروری اشیاء کو نظر انداز کرکے اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ بالکل عام فصلوں کی طرح ہی ہمیں اس دین اور تعلیمات دین کی فصل کو بھی سینچنا پڑے گا۔

۵۔ مدیر الحق

اس کی طرف پوری پوری توجہ دینی پڑے گی۔ اگر درسگاہوں کی طرف توجہ نہ دی گئی تو تعلیماتِ دین کا سلسلہ کیسے قائم رہ سکتا ہے اور جب تعلیمات دین جاتی رہی تو کیا باقی ماندہ دین کو برائے نام کہنا غلط ہوگا۔ ہمیں اپنی ذمہ داریوں اور اپنے مقاصد زندگی کو خود سمجھنا اور ان کا احساس کرنا ضروری ہے۔ آپ خود سوچئے کیا ہم اسلام کی طرف توجہ نہ دے کر سرخرو ہو سکتے ہیں؟ اور خود ہی غور کیجئے کہ یہ ذمہ داری اگر ہم پر نہیں تو آپ فرمائیے کہ اس طرف سے لاپرواہی کیوں ہے کیا پھر یہ فرض آپ پر عائد نہیں ہوتا کہ آپ اس فصل کو سینچیں؛ آخر کیوں درسگاہوں سے لاپرواہی کی جاتی ہے علمی مراکز سے بے اعتنائی کیوں روا رکھی جاتی ہے۔

مولانا غلام غوث صاحب | مولانا غلام غوث صاحب نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا بدل چکی ہے۔ عالم کی فضا بہت مکدر ہو چکی ہے۔ عالم اسلام کا شیرازہ بکھر چکا ہے لیکن آج مجھے اکوڑے میں ناظم، صدر، علماء، خوانین اور غرباء۔ الغرض ہر طبقہ کے لوگ اسلام کے شیدائی دیکھ کر از حد مسرت ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری ملت کے لئے یہ ایک قابلِ فخر چیز ہے۔

مولانا نے اپنے دائرہ بیان کو وسیع کرتے ہوئے اور اقوام و ملل کے عروج و زوال کی داستانوں کا جائزہ لینے کے لئے تاریخ کے اوراق نہایت تیزی سے پلٹتے ہوئے فرمایا۔ "آپ کو اس قوم کی حالت بھی یاد ہوگی جو ننگے بدن طواف کعبہ کو ثواب سمجھتے تھے جو دن دہاڑے ڈاکے اور رہزنی میں مشغول رہتے تھے اسی قوم کو اللہ تعالیٰ نے اٹھا کر عالم پر پھیلا دیا۔ دنیا کے تمام گوشوں میں اس کے پرچم لہراتے نظر آتے اور اسی کے معیار زندگی کو قوموں کی زندگی کا معیار سمجھا گیا لیکن پھر؟ — پھر جو پانسہ پلٹا تو وہی قوم آج ذلیل ہے اور ذلیل سمجھی جا رہی ہے ذلیل شمار کی جا رہی ہے لیکن کسی نے نہ سوچا کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ صرف اس علم کی کمی ہے جس کی بدولت وہ عروج نصیب ہوا تھا اور اس کی کمی کی بدولت آج کی ذلت و خواری کا نتیجہ سامنے ہے۔ قرآن! جسے ہم قرآن کہتے ہیں جو مسلمانوں کے لئے ہی نہیں دنیا بھر کے لئے نسخۂ کیمیا ہے یہی تھا جو مسجد نبوی سے نکل کر مدینہ پر، مدینے سے حجاز پر اور حجاز کے افق سے ابھر کر تمام دنیا پر نمودار ہوا۔ وہ خوش قسمت تھے جنہوں نے اس کا نور قبول کیا وہ بدبخت ثابت ہوئے جنہوں نے اسے ٹھکرا دیا"۔

آپ نے تاریخ کی اسی ورق گردانی کے دوران فرمایا۔ ہاں ہاں، ہم نے بھی یہی غلطی تو کی اس حبل اللہ کو مضبوطی سے نہ تھاما ہم رنگ رلیوں میں لگ گئے۔ ہم نے قرآن کو پس پشت ڈال دیا۔ تلوار کو چھوڑ دیا۔ اسلامی اخلاق کو اپنانے سے کنارہ کشی کر لی۔ بس ہم تھے اور طاؤس و رباب۔ اسی لغزش کے وقت انگریز کو آنا تھا وہ آیا اس کے پاؤں جم گئے۔ ہمارے پاؤں پیر اکھڑنے ہی تھے سو اکھڑ گئے۔

مولانا کی تقریر اسی مدوجزر سے جاری رہی آپ نے اپنے بیان میں اسی چیز کے ثبوت ڈھونڈتے ہوئے کہ ہمارے تنزل کی وجہ صرف اپنے پروگرام سے ہٹ جانا اور قرآن کو چھوڑ دینا ہے۔ میر جعفر و صادق جیسے تاریخی غداروں کا ذکر اور اس کے ساتھ ہی مردان

مجاہد سراج الدولہ اور سلطان ٹیپو کا بھی تذکرہ کیا اور ان سب تاریخی پس منظروں، حالات کی موجودہ رفتار، نتائج کے خلاف توقع ہونے اور شیرازۂ امن وامان کے بکھر جانے کی وجہ اصلی بتاتے ہوئے فرمایا کہ وجہ صرف ایک ہی ہے اور وہ یہی کہ ہم اپنے منصب سے ہٹ گئے ہم نے اپنے اس مقام کی قدر نہ کی۔ جو ہمیں دیا گیا تھا ہم وقت کے دھاروں میں بہہ نہیں گئے بلکہ ڈوب گئے۔

اپنے بیان کو ختم کرتے ہوئے مولانا غلام غوث صاحب نے فرمایا۔ حالات تو بیشک یہی ہیں جو آپ سب کے مشاہدے میں بھی ہیں لیکن ان کے بیان سے میرا مطلب ناامید کر دینا نہیں۔ اصلاح کی امید ہر وقت رکھی جا سکتی ہے۔ شرط صرف اتنی ہے کہ احساس ہو جائے اگر آج آپ اور ہم اس چیز کا احساس کرتے ہیں تو کوشش کرنی چاہئے کہ اس کی مکافات کریں اور وہ طریقے ڈھونڈیں جو پھر عروج کی طرف ہمارے قدم پڑ جائیں۔

یہ دارالعلوم حقانیہ ہی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے آج ہمارا فرض ہونا چاہئے کہ ہم ان علم کی درس گاہوں کی ترقی و استحکام کی طرف پوری پوری توجہ دیں میں تو اسی میں پوری قوم کی فلاح سمجھتا ہوں۔

مولانا زاہد الحسینی صاحب مولانا غلام غوث صاحب کی تقریر کے بعد مولانا زاہد الحسینی[1] صاحب نے تقریر فرمائی۔ آپ نے اپنی تقریر میں غیر مذاہب اور اسلام کے موجودہ تبلیغی پروگرام کا جائزہ لیتے ہوئے یہ ثابت کیا کہ دیگر اقوام اور دیگر مذاہب کے پیرو باقاعدہ طور پر بڑے بڑے خرچ برداشت کر کے اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف ہیں لیکن اگر کسی مذہب کے پیرو اس کی طرف توجہ نہیں دے رہے تو ہم ہیں اور ہمارا مذہب ہے۔

مولانا زاہد الحسینی صاحب نے اپنی تقریر میں مختلف گروہوں اور مذہبوں کی تبلیغی مشنریوں کا مفصل جائزہ بھی لیا۔

---

[1] مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب (اٹک) مدیر الارشاد، مفسر قرآن

نوٹس نیلام

شاہراہِ پاکستان میل نمبر 8/249 میں واقع بابو نالہ پُل نوشہرہ کا ملبہ بشمول درج ذیل اشیاء جہاں ہے اور جیسے ہے کی بنیاد پر مورخہ 4/10/79 کو بوقت دس بجے صبح نیلام ہونا قرار پایا ہے۔

1- سٹیل گارڈرز انگلش، سائز 7 انچ - 34 فٹ × 7" × 2"2 تعدادی 945 فٹ تقریباً تیس ٹن وزنی

2- سریا سائز 1/2" و 5/8" تقریباً 5 ٹن وزنی۔

3- ٹی آئرن پوسٹ سائز 3½" انچ × 3½" انچ × 4½" فٹ تعدادی 100 نمبر تقریباً ایک ٹن وزنی

4- (الف) جی آئی پائپ سائز ایک انچ تعدادی چھ صد (600) فٹ
(ب) ایضاً ڈیڑھ انچ تعدادی چھ صد (600) فٹ

5- دیگر زنگ آلود ملبہ تقریباً دو ٹن وزنی۔

نوٹ (1) ماسوائے جی آئی پائپ بقیہ اشیاء کی قیمت فی ٹن کے حساب لگایا جائے جب کہ پائپ کی قیمت فٹ کے حساب سے لگایا جائے۔

2- سب سے زیادہ بولی دہندہ کو چاہیئے کہ وہ بولی کے وقت ایک چوتھائی رقم موقع پر جمع کرادے اور بقیہ رقم بولی منظور ہونے کے بعد ایک ہفتہ کے اندر جمع کرانا ہوگی۔ اور ملبہ کو بیس (20) دن کے اندر موقع سے ہٹانا ہوگا افسر مجاز کو حق حاصل ہوگا کہ وہ تمام یا کوئی ایک بولی بغیر وجہ بتلائے نامنظور کردے۔

3- وہ بولی دہندہ جو اپنی بولی بذریعہ ڈاک بھیجنا چاہیں بولی دینے کے ساتھ ساتھ ایک چوتھائی رقم بشکل کال ڈیپازٹ بھیجدے۔ وگرنہ بولی کارروائی کے لئے قابل قبول نہ ہوگی۔

4- جملہ سامان / ملبہ کسی بھی دن اوقات کار کے دوران دیکھا / پرکھا جاسکتا ہے۔

5- بولی دہندہ کسی بھی لاٹ کے لئے علیحدہ علیحدہ بولی دینے کا مجاز ہے۔ اور سب لاٹوں کی بولی علیحدہ علیحدہ دینے کا مجاز ہے۔ لاٹ کے لئے سب سے زیادہ بولی پر فیصلہ کیا جائے گا۔

(INF (P) 2293

دارالعلوم حقانیہ کے شب وروز

شفیق فاروقی

مجلس شوریٰ کا سالانہ جلسہ | ۴ ذی قعدہ مطابق ۲۷ ستمبر ۷۹ء بروز جمعرات دارالعلوم حقانیہ کے نئے تعمیر شدہ کتب خانہ کی عمارت میں مجلس شوریٰ دارالعلوم کا سالانہ اجلاس زیر صدارت حضرت مولانا میاں ولایت شاہ کاکاخیل منعقد ہوا جس میں مجلس شوریٰ کے ارکان نے بڑی تعداد میں شمولیت کی تلاوت کلام پاک کے بعد حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے دین کی حفاظت میں مدارس عربیہ کے بنیادی حصہ پر روشنی ڈالی انہوں نے فرمایا کہ یہ مدارس ہی اس پر فتن دور میں دین کے قلعے ہیں اس ضمن میں آپ نے ملک و بیرون ملک فضلاء دارالعلوم حقانیہ کی وسیع اور ہمہ گیر خدمات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد حسب سابق اس پر بھی حضرت کی علالت وضعف کی وجہ سے حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے دارالعلوم کی سالانہ کارگذاری مصارف اور مدات آمد وخرچ پر مفصل رپورٹ پیش کی۔ آپ نے بتلایا کہ سال گذشتہ دارالعلوم کو مختلف مدات سے آٹھ لاکھ ایک ہزار پانچ سو ننانوے روپے اٹھاسی پیسے کی آمدنی ہوئی جبکہ مختلف شعبوں پر سات لاکھ چھپن ہزار ایک سو باون روپے چھیاسٹھ پیسے خرچ ہوئے۔ سال رواں کے لئے آپ نے آٹھ لاکھ چونتیس ہزار ایک سو بیالیس روپے کا میزانیہ پیش کیا۔ زیر نظر میزانیہ میں موجودہ فنڈ کی رو سے اگرچہ دو لاکھ سینتالیس ہزار تین سو پانچ روپے اڑھتیس پیسے کا خسارہ تھا مگر اجلاس نے توکلاً علی اللہ متوقع آمدنی کی رو سے میزانیہ کی منظوری دی۔ ارکان شوریٰ نے دارالعلوم کے ہر شعبہ میں بڑھتی ہوئی ترقیات پر خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اجلاس میں دارالعلوم کے اساتذہ اور تمام شعبوں کے عملہ کی تنخواہوں میں بڑھتے ہوئے اخراجات کے پیش نظر معقول اضافہ کرنے کا بھی فیصلہ کیا گیا۔ اجلاس کے آغاز میں برصغیر کی وفات پانے والی اہم علمی و دینی شخصیات مولانا اسعد اللہ مظاہری مولانا محمد الحسنی مولانا اسحاق جلیس مولانا محمد اسرائیل صاحب اور دیگر حضرات وابستگان دارالعلوم کی وفات پر دعائے مغفرت کی گئی اور علمی اداروں سے اظہار تعزیت کیا۔ (نقشہ آمد وخرچ اور میزانیہ ۱۳۹۹ھ منسلک ہے)

نئے تعلیمی سال کا آغاز | ۲۶ شوال کو دارالعلوم کے نئے تعلیمی سال کا آغاز دارالحدیث ہال میں ختم کلام پاک سے ہوا اس کے بعد طلبہ واساتذہ کے بہت بڑے مجمع میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ترمذی شریف سے افتتاح فرمانے کے بعد طلبہ سے فضیلت علم اور دینی وملی تقاضوں پر مفصل خطاب فرمایا جسے کسی موقع پر شائع کیا

جائے گا۔ تقریب میں افغانستان کے مجاہدین کی فتح و کامرانی کے لئے بھی خاص طور سے دعائیں مانگی گئیں۔ دارالعلوم میں حسب سابق اسباق پوری سرگرمی سے شروع ہو چکے ہیں تمام شعبے سرگرم کار ہیں طلبہ کی تعداد حسب سابق روز افزوں ہے صرف دورہ حدیث کی تعداد ایک سو تک پہنچ چکی ہے جبکہ ابھی آمد جاری ہے۔

مولانا مودودی کی تعزیت

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی وفات پر دارالعلوم حقانیہ کی طرف سے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے جماعت کے عمائدین کو تعزیتی ٹیلیگرام بھیجے نیز جناب مدیر الحق نے بھی تعزیتی تار دیئے۔ ۲۳ ستمبر کو راستے وطن سے واپسی پر مولانا سمیع الحق صاحب بوقت عصر منصورہ لاہور تعزیت کے لئے گئے اس موقعہ پر جناب چوہدری رحمت الٰہی صاحب وغیرہ حضرات سے تعزیت اور پورے دارالعلوم کی طرف سے اظہار افسوس کیا۔

متفرقات

۲۰ شوال — دارالعلوم کے مختلف احاطوں مطبخ، دارالمدرسین وغیرہ میں سوئی گیس لائن بچھانے کا کام مکمل ہو گیا۔ اس منصوبہ پر پینتیس ہزار روپے سے زائد اخراجات کا اندازہ ہے۔

یکم ذی قعدہ — دارالعلوم میں اساتذہ کے مکانات کی کمی کے پیش نظر مہمان خانہ کے عقب میں اساتذہ کے لئے دو مکانات تعمیر کرنے کا کام شروع ہو گیا۔ ہر دو مکانات پر تقریباً ایک لاکھ روپے لاگت کا تخمینہ ہے۔

۱۶ شوال — مولانا سمیع الحق صاحب میرے بھائی عارف جاوید فاروقی مقیم جدہ کی تقریب شادی میں شمولیت کے لئے کراچی تشریف لے گئے۔ اور دو ایک دن بعد واپس ہوئے۔

۲ ذی قعدہ — جناب مولانا خالد نعمانی جو سعودی عرب کی طرف سے کینیا میں اسلامی خدمات انجام دے رہے ہیں دارالعلوم تشریف لائے۔ جناب مدیر الحق کے ساتھ قیام فرمایا اور دارالعلوم دیکھ کر محظوظ ہوئے۔

۷ ذی قعدہ — مولانا سمیع الحق صاحب نے رائے ونڈ کے سالانہ عالمی تبلیغی اجتماع میں شرکت کی دارالعلوم کے کئی ایک اساتذہ اور طلبہ بھی اجتماع میں شریک ہوئے۔

۹ ذی قعدہ — مولانا سمیع الحق نے تنظیم مساجد پاکستان کے زیر اہتمام منعقدہ شریعت سیمینار اسلام آباد میں وزارت قانون کی دعوت پر شرکت کی یہ کانفرنس اسلام آباد کے ہوٹل ہال میں منعقد ہوا اور عالمی اسلامی اسکالروں نے اس میں تبادلہ خیال کیا اور مقالات پڑھے۔ اس دوران آپ نے صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کی طرف سے منعقد ہونے والے مشاورتی میں بھی شرکت کی اور سیمینار میں شریک علماء و فضلاء سے ملاقاتیں بھی ہوتی رہیں۔

۲۲ ذی قعدہ — صوبائی وزیر تعلیم جناب سید ابوالہاشم خان صاحب اور ڈپٹی ڈائرکٹر تعلیم جناب کفایت اللہ صاحب دارالعلوم تشریف لائے۔ دفتر اہتمام میں جناب مدیر صاحب کے ساتھ تبادلہ خیالات کیا۔ آپ نے مہمانوں کو دارالعلوم کے شعبہ تعلیم القرآن کا معائنہ بھی کرایا۔

نقشہ میزانیہ دار العلوم حقانیہ

برائے سالِ رواں ۱۳۹۹ھ و اخراجات ۱۳۹۸ھ

(میزانیہ : آٹھ لاکھ چونتیس ہزار ایک سو بیالیس روپے)

مدات	اخراجات ۱۳۹۸ھ		مدات	میزانیہ ۱۳۹۹ھ	
مطبخ	۶۵	۱۹۳۰۸۲	مطبخ	..	۲۰۲۵۰۰
ڈاک	۲۰	۲۷۱	ڈاک	..	۳۷۰۰
نقدامداد	..	۱۴۹	نقدامداد	..	۳۰۰
کرایہ مکانات	..	۵۹۸	کرایہ مکانات	..	۶۸۰
روشنی وفٹنگ	۴۱	۲۳۱۳۰	روشنی وفٹنگ	..	۱۶۰۰۰
صابن	..	۳۵۶۳	رسائل اخبارات	..	۶۵۰
رسائل واخبارات	۹۲	۶۰۴	اشاعت	..	۱۷۰۰
اشاعت	۰۵	۶۶۹	امتحانات	..	۱۱۵۰
امتحانات	..	۷۷۶	کتب خرید و مرمت	..	۴۰۰۰
کتب خرید و مرمت	۰۴	۳۸۸۶	باغیچہ	..	۳۵۰
باغیچہ	..	۱۶۱	صابن	..	۳۰۰۰
سفارت	۱۵	۲۲۹۹۴	سفارت	..	۱۰۵۰۰۰
تنخواہ مع الاؤنس	۴۰	۱۵۵۱۱۳	سٹیشنری	..	۱۴۰۰
سٹیشنری	۸۰	۲۳۴۷	تنخواہ مع الاؤنس	..	۱۸۵۰۰۰
تعلیم القرآن	۰۱	۳۱۲۳۰	تعلیم القرآن	..	۳۹۷۰۰
مرمت واٹرپمپ	..	۳۶۰	مرمت واٹرپمپ	..	۴۰۰
سامان خرید و مرمت	۲۵	۶۵۳۵	سامان خرید و مرمت	..	۴۸۰۰

مدات		اخراجات ۱۳۹۸ھ	مدات		میزانیہ ۱۳۹۹ھ
آب رسانی	..	۲۵۱۴	آب رسانی	..	[illegible]۰۰۰
آمدورفت	۲۰	۲۸۷۸	آمدورفت	..	۳۰۰۰
تعمیر دارالمدرسین	۸۵	۱۵۸۶۷	تعمیر دارالاقامہ	..	۲۴۰
تعمیر کتب خانہ	۷۲	۱۰۸۶۸۵	تعمیر مسجد	..	۲۰۰۰۰
تعمیر دارالاقامہ	۶۱	۸۴۵۱۹	تعمیر دارالمدرسین	..	[illegible]۰۰۰
تعمیر گودام نزد مطبخ	۴۵	۵۲۰۶	تعمیر کتب خانہ	..	[illegible]۵۰
مرمت تعمیرات	۳۰	۹۰۵۳	پلاٹ بنوائی	..	[illegible]۰۰۰
پلاٹ بنوائی	۲۰	۵۵۶	مرمت تعمیرات	..	[illegible]۰۰۰
ٹیلیفون	۳۵	۳۱۰۷	ٹیلیفون	..	[illegible]۰۰۰
آڈٹ	..	۲۵۰	آڈٹ	..	۲۵۰
فیس وفاق	..	۱۲۰	وفاق المدارس فیس	..	۴۱۵
لاؤڈ سپیکر مرمت	..	۶۵	ریکارڈنگ درس	..	۲۵۰
درس ریکارڈ	..	۳۴۸	لاؤڈ سپیکر خرید	..	۲۳۰۰
فرنیچر	۷۵	۴۵۸	تبلیغ	..	۲۰۰۰
فیس انتقال زمین	..	۱۲	ماہنامہ الحق	..	۶۸۰۰۰
تجہیز و تکفین طلبہ	۷۵	۹۰۲	تنظیم الفضلاء	..	۲۰۰
ماہنامہ الحق	۷۵	۷۱۸۳۱	سوئی گیس	..	۴۰۰۰۰
تبلیغ (مطبوعات موتمر)	۶۵	۲۵۰۲			
بنک کمیشن	۲۰	۲۱			
میزان	۶۶	۷۵۶۱۵۲	میزان	..	۸۳۴۱۴۲

گیس کی سہولت

اب سندھ کے تمام بڑے شہروں میں حاصل ہے

STATE ENTERPRISE

آپ کی سہولت کے لئے جدید طرز زندگی کا
جدید ایندھن — قدرتی گیس —
اب سندھ کے تمام بڑے شہروں
میں دستیاب ہے صنعتی، تجارتی
اور گھریلو استعمال کے لئے فوری فراہمی
کی ضمانت۔
ہر طرح سے استعمال ہونے والا
صاف ستھرا اور کارآمد ایندھن —
گیس۔ جس نے عوام کے رہن
سہن میں انقلاب پیدا کر دیا ہے

کراچی
حیدرآباد
کوٹڑی
جام شورو
ٹنڈو آدم
شہداد پور
نواب شاہ
خیرپور
روہڑی
سکھر
شکارپور
دادو
لاڑکانہ
گڑھی یاسین

کوئٹہ میں

ایل۔ پی۔ جی (لیکوئیفائڈ پٹرولیم گیس) دستیاب ہے

انڈس گیس کمپنی لمیٹڈ۔ حیدرآباد

ADGROUP

آپکو بہترین معیار کی جستجو ہے تو آپکا موزوں ترین انتخاب' بے مثال لنن اور انمول پاپلین

'بے مثال' لنن اور 'انمول' پاپلین' دیدہ زیب' دیرپا' اعلٰے معیار اور نفاست میں اپنی مثال آپ ہیں۔ ان کی امتیازی خصوصیات یہ ہیں۔

- پولی ایسٹر اور ریان سے تیار شدہ
- سکڑنے سے محفوظ (Evaset)
- مرسرائزڈ' آب وتاب
- شکنوں سے مبرا
- واش اینڈ ویئر (دھلائی آسان' استری سے بے نیاز)
- دیرپا فنش
- ہر گز پر تیار کنندگان کی مہر
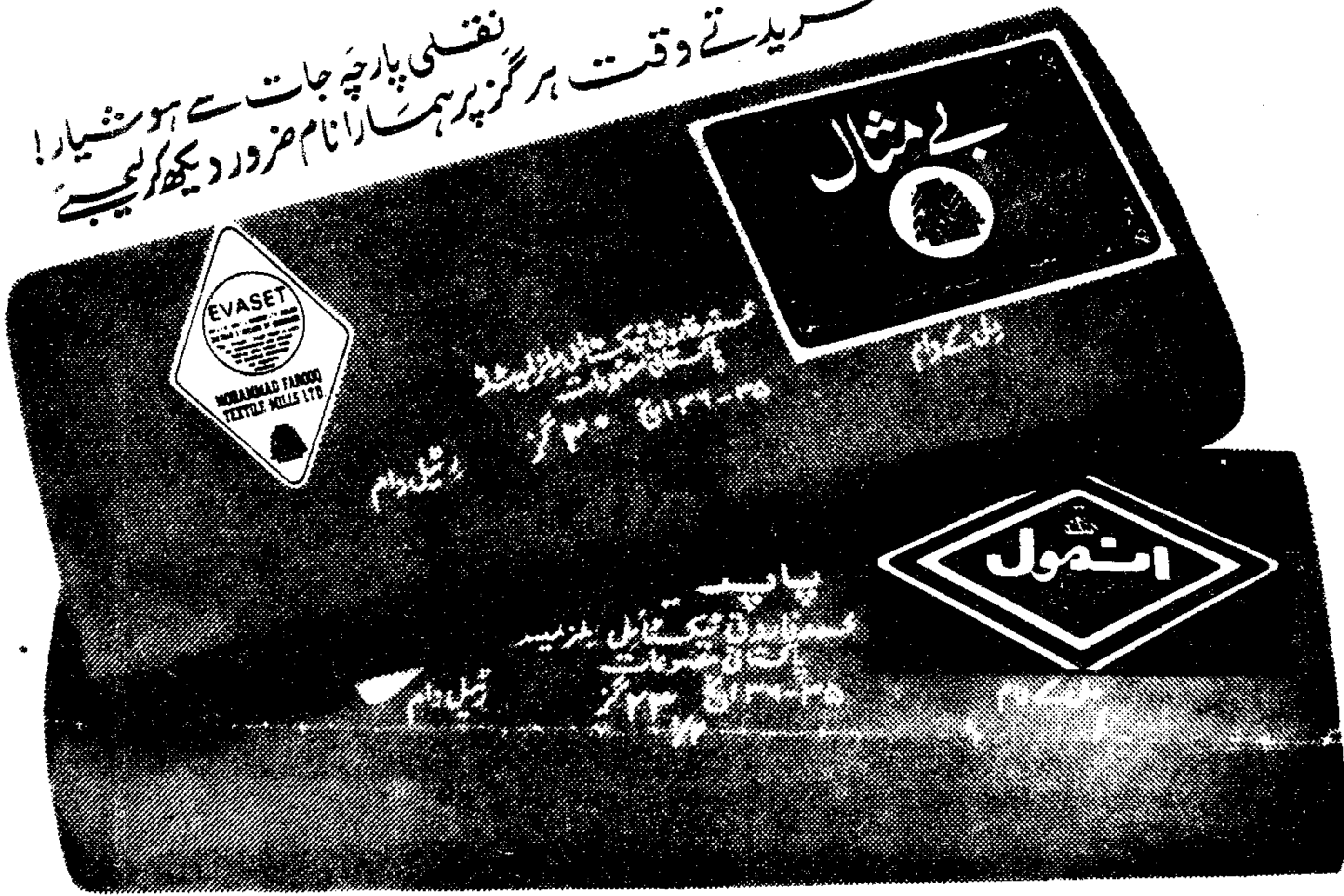
آپکے ذوق کیلئے۔ آپ کی زیبائش کیلئے

محمد فاروق ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

فیصلے ہاؤس' آئی آئی چندریگر روڈ' کراچی۔

فون: ۲۳۱۵۲۳ - ۲۳۳۰۵۸ - ۲۳۹۹۶۷

MFTM-6-75
ASIATIC
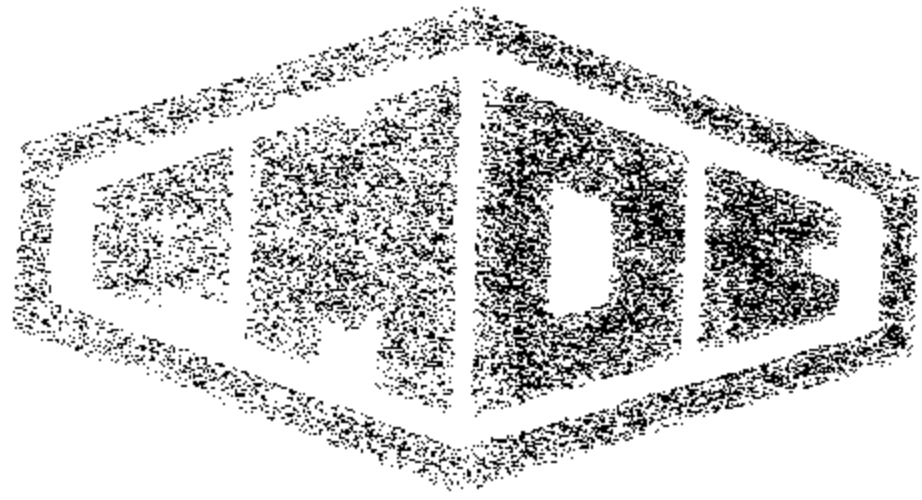
MINERALS are the most potent generators of economic growth and historically man's progress has been closely linked with their proper uses. Most of the industrial nations have used mineral resources to support their development and the industrial progress of Pakistan is vitally linked with the development of its indigenous mineral resources. Until 1970, the development and growth of this sector in Pakistan had been too slow and its contribution to GNP was less than 1%. PMDC which was established in July 1974 has been entrusted with the entire ambit of mineral development from the stage of discovery and survey through exploration, evaluation, beneficiation, mining, utilization & marketing etc.

PMDC is one of the largest employers of mining personnel in the public sector in Pakistan and has nearly 10,000 persons on its payroll. These include about 770 technical, professional and management executives. It has the largest mining department, a well established exploration department with facilities for mineral exploration through geophysics, geochemistry, drilling and a laboratory for mineral testing.

PAKISTAN MINERAL DEVELOPMENT CORPORATION

PMDC House, Karachi.